

اس امر کی تحقیق عظیم کی فتویٰ ہیث قول امام پر ہوتا ہے

اجلی الاعلام ان الفتوى مطلقا على قول الامام

۱۳۳۲ھ



قدیم و معروف

اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا بریلوی

ALAHAZRAT NETWORK

اعلیٰ حضرت نیٹ ورک

www.alahazratnetwork.org

رسالہ

أَحْلَى الْإِعْلَامِ أَنَّ الْفَتْوَى مُطْلَقًا عَلَى قَوْلِ الْإِمَامِ

(روشن تر آگاہی کہ فتویٰ قولِ امام پر ہے)

www.alalamcinet.org

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الحنفی ، علی دینہ الحنفی ،	ہر تائش خدا کے لئے جو دین حنفی پر نہایت مہربان
الذی ہم امید نا باثمة یقیمون	ہے ، جس نے ہمیں ایسا نئے سے قوت دی جو
الادب ، ویبیمون المدد ، یا ذن الجواد	جو دوستوں والے بے نیاز رب کے اذن سے کبھی
العصم ، وجعل من بینہم	درست کرنے والے اور ہمیشہ مدد پہنچانے والے
امامنا الاعظم کالقلب فی الجسد ،	ہیں ، اور ان کے درمیان ہمارے امام اعظم کو
والصلوة والسلام ، علی الاصنام	یوں رکھا جیسے جسم میں قلب کو رکھا۔ اور درود و
الاعظم للرسول الکرام الذی	سلام ہو معزز رسولوں کے امام اعظم پر جن کا یہ

فت : رسالہ جلیلہ اس امر کی تحقیق عظیم میں کہ فتویٰ ہمیشہ قولِ امام پر ہے اگرچہ صاحبینِ خلافت پر ہوں اگرچہ خلافت پر فتویٰ دیا گیا ہو اختلاف زمانہ و ضرورت و تعامل وغیرہ جن وجوہ سے قولِ دیگر پر فتوے مانا جاتا ہے وہ درحقیقت قولِ امام ہی ہوتا ہے ۔

جاءناحقاً من قوله المأمون، استفتت قلبك وانت افتاك المفتون، وعليهم وعلى آلهم وصحبهم وصحبه و فثامه و

ارشاد گرامی بجا طور پر یہیں ملا کر اپنے قلب سے فتویٰ دریافت کر اگرچہ مفتیوں کا فتویٰ تجھے مل چکا ہو اور (دروود و سلام ہو) ان رسولوں پر یوں ہی سرکار کے آل و اصحاب و جماعت پر اور حضرات رسل کے

عن جعل الامام الاعظم كالقلب ثم ذكر هذا الحديث استفت قلبك وانت افتاك المفتون فاکم به من براعة استخلاص الحديث رواه الامام أحمد والبخاری فی تاریخہ عن وابصة بن معبد الجعفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن بلفظ استفت نفسك وروی احمد بسند صحیح عن ابی ثعلبة الخشني رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم البر ما سكنت اليه النفس واطمان اليه القلب والاثم ما لم تسكن اليه النفس ولم يطمئن اليه القلب ان افتاك المفتون احمد منہ غفر له۔

پسے امام اعظم کو قلب کی طرح قرار دیا پھر یہ حدیث ذکر کی "اپنے قلب سے فتویٰ طلب کر اگرچہ مفتیوں کا فتویٰ تجھے مل چکا ہو" اس میں کیا ہی عمدہ براعت استخلاص ہے (یعنی یہ اشارہ ہو جاتا ہے کہ قلب۔ امام اعظم۔ کا فتویٰ راجح ہو گا اگرچہ دوسرے فتوے اس کے برخلاف ہوں) حدیث مذکور امام احمد نے مسند میں اور امام بخاری نے تاریخ میں وابصة بن معبد جعفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن روایت کی ہے اس کے الفاظ میں "استفت نفسك" ہے یعنی خود اپنی ذات سے فتویٰ طلب کر۔ اور امام احمد نے بسند صحیح ابو ثعلبة خشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے یوں روایت کی ہے: "یٰ اے وہ ہے جس میں نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان ملے اور گناہ وہ ہے جس سے نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان نہ ہو اگرچہ فتویٰ دینے والے (اس کی درستی کا) فتوے دسہ دیں ۱۲ منہ (ت)

۱۔ مسند احمد بن حنبل عن وابصة بن معبد رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۸۸
اتحاد السادة المتقين الباب الثاني دار الفکر بیروت ۱/۱۶۰
۲۔ التاريخ البخاری ترجمہ ۴۳۲ محمد ابو عبد اللہ الاسدی دار البازکة المکرمۃ ۱/۱۴۵
الجامع الصغير حديث ۹۹۱ دار المکتب العلمیہ بیروت ۱/۶۶
۳۔ مسند احمد بن حنبل حديث ابی ثعلبة الخشني المکتب الاسلامی بیروت ۴/۱۹۴

فنامهم ، الى يوم يدين كل انسان
 يا ما مهم ، آمين اعلم رحمته الله
 تعالیٰ وایاک ، وتولی بفضلہ ہدای
 وهداک ، انه قال العلامة
 المحقق البحر فی صمد قضاء
 البحر بعد ما ذکر تصحیح السراجیۃ
 ان المفتی یفتی بقول ابی حنیفۃ
 علی الاطلاق وتصحیح حادی
 القدسیؒ اذا کان الامام فی جانب
 وھما فی جانب ان الاعتبار لقوة
 المدرک مانصہ فان قلت کیف
 جاز للمشائخ الافتاء بغیر قول
 الامام الاعظم مع انھم مقلد وقت
 قلت قد اشکل علی ذلک مدۃ
 طویلة ولم ارفیہ جوابا
 الاما فہمتہ الان من کلامہم
 وھو انھم نقلوا عن
 اصحابنا انہ لا یحل

آل واصحاب اور جماعت پر بھی اس روز تک جبکہ
 ہرگز وہ کہ اس کے امام و پیشوا کے ساتھ بلایا
 جائے گا۔ الٰہی قبول فرما۔ آپ کو معلوم ہو،
 خدا مجھ پر اور آپ پر رحم فرمائے اور اپنے فضل سے
 مجھے اور آپ کو راہ راست پر چلائے۔ کہ علامہ محقق
 صاحب بحر رائق نے البحر الرائق کتاب القضاء
 کے شروع میں پہلے یہ دو تصحیصیں ذکر کیں (۱) تصحیح
 سراجیہ مفتی کو مطلقاً قول امام پر فتویٰ دینا ہے۔
 (۲) تصحیح حادی قدسیؒ اگر امام اعظم ایک جانب
 ہوں اور صاحبین دوسری جانب تو قوت دلیل کا
 اعتبار ہوگا۔ اس کے بعد وہ یوں رقم طراز ہیں:
 اگر یہ سوال ہو کہ مشائخ کو یہ جواز کیسے ملا کہ امام اعظم
 کے مقلد ہوتے ہوئے ان کا قول چھوڑ کر دوسرے
 کے قول پر فتویٰ دیں؟ تو میں کہوں گا کہ یہ اشکال
 عمدہ و رازیکہ مجھے درپیش رہا اور اس کا کوئی جواب
 نظر نہ آیا۔ مگر اس وقت ان حضرات کے کلام
 سے اس اشکال کا یہ حل سمجھ میں آیا کہ حضرات
 مشائخ نے ہمارے اصحاب سے یہ ارشاد نقل

عہ قال الرملی هذا مروی عن
 ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 وکلامہ ہنا موہم ان
 ذلک مروی عن المشائخ کما ھو

یہاں خیال دین رملی اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ بات
 امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے
 اور کلام بحر سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات
 حضرات مشائخ سے مروی ہے جیسا کہ اس کے سیاق
 (باقی بر صفحہ آئندہ)

لاحد انت یفتی بقولنا حتی فرمایا ہے کہ کسی کے لئے چارے قول پر فتویٰ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سے ظاہر ہے **اح** اقول کلامِ بحر کے کس حرف سے
یہ دم پیدا ہوتا ہے اور کس سیاق سے ظاہر ہوتا
ہے کہ وہ قول حضرات مشائخ سے مروی ہے۔
بحر نے تو بس یہ بتایا ہے کہ مخالفت مشائخ کی
وجہ یہ ہے کہ انہیں معرفتِ دلیل کے بغیر قولِ اصحاب
پر فتویٰ دینے سے مانعت تھی جس سے معلوم ہوا کہ
مشائخ اس کام سے ممنوع تھے نہ یہ کہ وہ خود مانع
تھے۔ اب رہی یہ بات کہ قول مذکور نہ صرف
امام اعظم بلکہ ان کے اصحاب سے بھی منقول ہے
قرآن و تفسیر میں ہے حضراتِ اصحاب سے بھی اسی
طرح منقول ہے جیسے حضرت امام سے منقول ہے
رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ امام کردری کی تصنیف
مناقبِ امام اعظم میں عاصم بن یوسف سے یہ
روایت ہے کہ: امام اعظم کی مجلس سے زیادہ معزز
کوئی مجلس دیکھنے میں نہ آئی۔ اور ان کے اصحاب
میں زیادہ معزز و بزرگ چار حضرات تھے (۱) زفر
(۲) ابو یوسف (۳) عافیہ (۴) اسد بن عمرو۔
(باقی بر صفحہ آئندہ)

ظاہر من سیاق **اھ** اقول ای حرف
فی کلامہ یوہم روایتہ عن
المشائخ وای سیاق یظہرہ انما جعل
خلاف المشائخ لانہم منہیون عن
الافتاء بقول الاصحاب ما لم یعرفوا
دلیلہ فہم منہیون لاناہون اما
الاصحاب فنعم روی عنہم کما روی
عن الامام رضی اللہ تعالیٰ عنہم
ف مناقب الامام للامام
الکرہی عن عاصم
بن یوسف "لم یومع مجلس
انبل من مجلس الامام
وکانت انبل اصحابہ اربعة
نوفرو ابو یوسف و عافیہ
واسد بن عمرو و قالوا
لا یحیل لاحد ان یفتی
بقولنا حتی یعلم من

و: تطفل حل العلامة الرملی والشامی

و: تطفل علیہما۔

یَعْلَمُ مِنْ إِنْ قَلْنَا حَتَّى نَقْلَ فِي
السَّراجِيةِ إِنْ هَذَا سَبَبٌ مَخَالَفَةِ عَصَامَ
لِلْإِمَامِ وَكَانَتْ يَفْقَهُ بِخِلَافِ قَوْلِهِ
كَثِيرًا لِأَنَّهُ لَمْ يَعْلَمْ الدَّلِيلَ
وَكَانَتْ يَظْهَرُ لَهُ دَلِيلٌ غَيْرُهُ
فَيَفْقَهُ بِهِ فَاَقُولُ أَمَّا هَذَا
الشَّرْطُ كَانَ فِي مَنْ مَاتَهُمْ
أَمَّا فِي مَنْ مَاتَ فَيَسْكُتُ
بِالْحِفْظِ كَمَا فِي الْقَنْيَةِ
وغيرها فَيَحِلُّ الْإِفْتَاءُ
بِقَوْلِ الْإِمَامِ مِمَّا يَجِبُ

دینار و انہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہمارا
ماخذ اور ہمارے قول کی دلیل کیا ہے۔ یہاں تک
کہ سراجیہ میں منقول ہے کہ اسی وجہ سے شیخ عمامہ
سے امام اعظم کی مخالفت عمل میں آئی، ایسا
بہت ہوتا کہ وہ قول امام کے برخلاف فتویٰ دیتے
کیونکہ انہیں دلیل امام معلوم نہ ہوتی اور دوسرے
کی دلیل ان کے سامنے ظاہر ہوتی تو اسی پر
فتویٰ دیتے۔ (صاحب بحر فرماتے ہیں) میں
کتا ہوں یہ شرط حضرات مشایخ کے زمانے میں تھی
لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں
امام کے اقوال حفظ ہوں جیسا کہ قیہ وغیرہ میں ہے۔

(بقیہ ماثیہ صفحہ گزشتہ) www.alababainiwork.org

إِنْ قَلْنَا وَلَا أَنْ يَرُدَّ عَنْ
شَيْئٍ سَلَّمَ يَسْمَعُ مِنْهُ
فِيهَا عَنْ ابْنِ جَبَلَةَ سَمِعَتْ
مُحَمَّدًا يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ
أَنْ يَرُدَّ عَنْ كِتَابِنَا إِلَّا
مَا سَمِعَ أَوْ يَعْلَمُ مِثْلَ عَلَمِنَا
۱۲ مِنْهُ خَفَرُ لَهُ .

ان حضرات نے فرمایا کسی کے لئے ہمارے قول
پر فتویٰ دینا اس وقت تک روا نہیں جب تک
اسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ہم نے کہاں سے کہا
ہے، نہ ہی اس کے لئے یہ روا ہے کہ ہم سے
کوئی ایسی بات روایت کرے جو ہم سے سُنی نہ ہو
اسی کتاب میں ابن جبکہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں
نے امام محمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کے لئے ہماری
کتابوں سے روایت کرنا روا نہیں مگر وہ جو خود
اس نے سنا ہو یا وہ جو ہماری طرح علم رکھتا ہو (۱۲)

لئے المناقب للکرمی ذکر عافیہ بن یزید الاودی الکوفی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۲ / ۲۱۴
لئے - اقوال الامام الشافعی فی تعلیم الامام محمد بن الحسن مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۲ / ۱۵۲

وان لم نعلم من ائمت قال
وعلى هذا فما صححه في
الحاوي مبني على ذلك
الشرط وقد صححو انت الافتاء
بقول الامام فينتج من هذا
انه يجب علينا الافتاء بقول الامام
وان افتر المشايخ بخلافه
لانهم انما افتوا بخلافه لفقد
شرطه في حقهم و
هو الوقوف على دليله و
امانحت قلنا الافتاء وان لم
نقف على دليله وقد وقع
للمحقق ابن الهمام في مواضع
الرد على المشايخ في الافتاء
بقولهم ما بان لا يعدل عن
قوله الا لضعف دليله و
هو قوف في وقت المشاء
لكونه الاحوط وفي تكبير
التشريق في اخذ وقت
الحل اخرها ذكره في
فتح القدير كن هو
اهل للنظر في الدليل
ومن ليس باهل للنظر فيه
فعلية الافتاء بقول الامام
والمراد بالاهلية هنا ان

قواب اگرچ ہیں قول امام کی دلیل معلوم نہ ہو ،
قول امام پر فتویٰ دینا جائز بلکہ واجب ہے —
اس تفصیل کے پیش نظر تصحیح حاوی کی بنیاد وہی شرط
ہے جو حضرات مشایخ کے لئے اس زمانے میں تھی۔
اور اب علامہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ قول امام
پر ہی فتویٰ ہوگا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم پر
یہی لازم ہے کہ قول امام پر فتویٰ دیں اگرچہ مشایخ
اس کے برخلاف فتویٰ دے چکے ہوں اس لئے
کہ اس کے خلاف افتائے مشایخ کی وجہ یہ ہے
کہ خود قول امام پر فتویٰ دینے کے لئے اس کی
دلیل سے باخبر ہونے کی جو شرط ان کے حق میں تھی
وہ مفقود تھی (وہ اس کی دلیل سے باخبر نہ ہو سکے
اس لئے اس پر فتویٰ نہ دے سکے) اور ہمارے
لئے یہ شرط نہیں، ہمیں قول امام پر ہی فتویٰ دینا ہے
اگرچہ اس کی دلیل سے آگاہی نہ ہو — اور محقق
ابن ہمام نے تو متعدد جگہ قول صاحبین پر فتویٰ دینے
سے متعلق مشایخ پر رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ
قول امام سے — بجز اس کے اس کی دلیل
ضعیف ہو — انحراف نہ ہوگا اور وقت عشا سے
متعلق قول امام کی دلیل قوی ہے اس لئے کہ اسی
میں زیادہ احتیاط ہے۔ اسی طرح تکبیر تشریق کے
آخری وقت کی تعیین میں بھی قوت دلیل اس طرف
ہے — اس کے آگے فتح القدير میں مزید بھی
ہے — لیکن امام ابن الہمام کو دلیل میں نظر و فکر
کی اہلیت حاصل تھی جو دلیل میں نظر کی اہلیت نہیں

يكونت عام فاصيلاً بين
الاقاويل له قدرة على
ترجيح بعضها على بعض

وتعقبه العلامة في شرح
عقود بقوله لا يخفى عليك ما في هذا
الكلام من عدم الانتظام و لهذا
اعترضه محثيه الخیر الرضی بامان
قوله يجب علينا الافتاء بقول
الامام و انت لم تعلم من انت
قال مضاد لقول الامام لا يحل
لأحد ان يفتي بقولنا حتى يعلم من
انت قلنا اذ هو صريح في عدم مرجعنا
الافتاء لغير اهل الاجتهاد فكيف
يستدل به على وجوبه
فنقول ما يصدر من غير اهل
ليس بافتاء حقيقة و انما
هو حکایة من المجتهد
انه قائل بكذا و
باعتبار هذا الملحظ تجوز
حکایة قول غیر الامام
فكيف يجب علينا الافتاء
بقول الامام و انت

رکتہ اس پر قوی لازم ہے کہ قول امام پر فتویٰ دینا
یہاں اہلیت کا مطلب یہ ہے کہ اقوال کی معرفت
اور ان کے مراتب میں امتیاز کی یاقوت کے ساتھ
ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت حاصل ہو۔
اس کلام بحر پر علامہ رشیدی نے شرح عقود میں
یوں تنقید کی ہے: اس کلام کی بے نظمی ناظرین پر
غنی نہیں۔ اسی لئے اس کے محشی خیر الدین رضی
نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ایک طرف ان کا
کہنا یہ ہے کہ ہمیں قول امام پر فتویٰ دینا واجب
ہے اگرچہ اس قول کی دلیل اور ماخذ ہمارے علم
میں نہ ہو۔ دوسری طرف امام کا ارشاد
یہ ہے کہ "کسی کے لئے ہمارے قول پر فتویٰ دینا
حلال نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ
ہم نے کہاں سے کہا" دونوں میں تضاد ہے اس
لئے کہ قول امام سے مراد واضح ہے کہ اہلیت
اجتہاد کے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ پھر اس سے
اس شرط کے بغیر وجوب افتاء استدلال کیسے ہو سکتا
ہے؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ غیر اہل اجتہاد سے
جو حکم صادر ہوتا ہے وہ حقیقتاً افتاء نہیں، وہ تو
امام مجتہد سے صرف اس بات کی نقل و حکایت
ہے کہ وہ اس حکم کے قائل ہیں جب حقیقت یہ ہے
تو خیر امام کے قول کی نقل و حکایت بھی جائز ہے
پھر ہم پر یہ واجب کیسے رہا کہ ہم قول امام ہی پر

افق المشائخ بخلافه ونحت انما
 نهكي فتوئهم لا غير فليست اميل
 انتهى (وتوضيحه) انت المشائخ
 اطلعوا على دليل الامام و
 عرفوا انت اين قال و اطلعوا
 على دليل اصحابه فيوجعون
 دليل اصحابه على دليله
 فيفتوت به ولا يظن بهم
 انهم عدلوا عن قوله
 لجهلهم بدليله فاننا نرىهم
 قد شحنوا كتبهم بنصب
 الادلة ثم يقولون الفتوى
 على قول ابى يوسف مثلاً
 وحيث لم تكن نحت
 اهلاً للنظر في الدليل و
 لم فصل الحسبتهم في
 حصول شرائط التفریع والتأصيل
 فعلياً حكاية ما يقولونه
 لانهم هم اتباع المذهب
 الذين نصبوا انفسهم لتفريوة
 و تحريوة باجتهادهم
 (والنظر الحسب ما قد مناه
 من قول العلامة قاسم
 انت المجتهدين لم يفقدوا
 حق نظر وافي المختلف

فتوی دیں اگرچہ مشائخ نے اس کے برخلاف فتویٰ
 دیا ہو۔ حالانکہ ہم تو صرف فتوئے مشائخ کے ناقل
 ہیں اور کچھ نہیں۔ یہاں تاہل کی ضرورت ہے۔
 انتی (کلام رملی ختم ہوا) — علامہ شامی فرماتے
 ہیں، اس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کو دلیل امام سے
 آگاہی حاصل ہوتی، انھیں علم ہوا کہ امام نے کہاں
 سے فرمایا، ساتھ ہی اصحاب امام کی دلیل سے بھی
 وہ آگاہ ہوئے، اس لئے وہ دلیل اصحاب کو
 دلیل امام پر ترجیح دیتے ہوئے فتویٰ دیتے ہیں۔
 اور ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ
 انھوں نے قول امام سے انحراف اس لئے اختیار
 فرمایا کہ انھیں ان کی دلیل کا علم نہ تھا۔ اس لئے
 کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرات مشائخ نے دلائل
 قائم کر کے اپنی کتابیں بھر دی ہیں اس کے بعد بھی
 یہ سمجھتے ہیں کہ فتویٰ مثلاً امام ابویوسف کے قول پر
 ہے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ نہ دلیل میں نظر کی
 اہلیت نہ تائیس اصول و تخریج فروع کی شراط
 کے حصول میں رتبہ مشائخ تک رسائی، تو ہمارے
 ذمہ یہی ہے کہ حضرات مشائخ کے اقوال نقل کر دیں
 اس لئے کہ یہی حضرات مذہب کے ایسے قبیح ہیں
 جنہوں نے اپنے اجتہاد کی قوت سے مذہب کی
 تقریر و تحریر (اثبات و توضیح) کی ذمہ داری اٹھا
 رکھی ہے۔ — ملاحظہ ہو علامہ قاسم کی
 عبارت جو ہم پہلے پیش کر آئے، وہ فرماتے ہیں،
 مجتہدین پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے

وہم جہوا وصححو الخ ان قال
فعليتنا اتباع الراجح والعمل به كما
لوافقوا في حياتهم (وقف)
فتاوى العلامة ابن الشلبی
ليس للقاضي دلا للمفتي العدول
عن قول الامام الا اذا صرح
احد من المشائخ بانه
الفتوى على قول غيره
فليس للقاضي ان يحكم
بقول غير ابي حنيفة في
مسألة لم يرجح فيها قول
غيره ورجحوا فيها دليل ابي حنيفة
على دليله فان حكم فيها
فحكمه غير ما نحن ليس له
غير الانتقاض في كلامه في
الرسالة .

وذكر نحوه في رد المحتار
من القضاء، و مراد في منحة الخالق
انت انتوى اصحاب المتون
المستمددة قد يمشون
على غير مذهب الامام
واذا افق المشائخ بسلامت
قوله لفقد الدليل في حقهم

مقام اختلاف میں نظر فرما کر ترجیح و قبیح کا کام سر انجام
دیا تو ہمارے اوپر اسی کی پیروی اور اسی پر عمل لازم
ہے جو رائج قرار پایا جیسے ان حضرات کے اپنی حیات
میں فتویٰ دینے کی صورت میں ہوتا۔ علامہ
ابن شلبی کے فتاویٰ میں مرقوم ہے کہ : قاضی یا
مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر
اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ
صراحت فرمائی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور کے
قول پر ہے۔ تو قاضی کو امام کے سوا دوسرے کے
قول پر کسی ایسے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں
جس میں دوسرے کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور
خود امام ابو حنیفہ کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر
ترجیح ہو، اگر ایسے مسئلے میں قاضی نے خلافت امام
فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہو گا بے ثباتی کی
وجہ سے آپ ہی ختم ہو جائے گا۔ انتہی کلام ابن شلبی
۱۱ رسالہ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔

اسی طرح کی بات علامہ شامی نے رد المحتار
کتاب القضاء میں ذکر کی ہے اور منحة الخالق
حاشیۃ البحر الرائق میں مزید برآں یہ بھی
لکھا ہے کہ : آپ دیکھتے ہیں کہ متون مذہب کے
مصنفین بعض اوقات مذہب امام کے سوا کوئی
اور اختیار کرتے ہیں اور جب مشائخ مذہب نے
اس دلیل کے فقدان کی وجہ سے جو ان کے حق

فَنَحْنُ نَتَّبِعُهُمْ اِذْ هُمْ اَعْلَمُوْا كَيْفَ
يَقَالُ يَجِبُ عَيْنَنَا اِلِقْتَاءَ بِقَوْلِ
الْاِمَامِ لِفَقْدِ الشَّرْطِ وَقَدْ اَقْرَاهُ
قَدْ فَقَدَ الشَّرْطَ اَيْضًا فَبِ
حَقِّ الْمَشَاحِظِ فَهَلْ تَرَاهُمْ
اَمْ تَكْبُوْا مِنْكُمْ اَوْ الْحَاصِلُ
اِنَّ الْاَنْصَافَ الَّذِي
يَقْبِلُهُ الطَّبَعُ السَّلِيْمُ اِنَّ
الْمُفْتَى فِيْهِ مَا نَسَا يَنْقَلُ
مَا اخْتَارَهُ الْمَشَاحِظُ وَهُوَ الَّذِي
مَشَى عَلَيْهِ الْعِلْمُ اَجْمَعُ
الْمُشَلِّى فِيْ فِتَاوَاكَ حَيْثُ قَالَ
الْاَهْلُ اِنَّ الْعَمَلَ عَلَيْهِ
قَوْلُ ابْنِ حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ
تَعَالَى عَنْهُ وَلِذَا تَرْجَحُ
الْمَشَاحِظُ دَلِيْلُهُ فِي الْاَغْلَبِ
عَلَى دَلِيْلٍ مِنْ خَالَفَهُ صَوْنُ
اَصْحَابِهِ وَيَجِبُ بَوْنُ عَمَّا اسْتَدَلَّ
بِهِ مَخَالَفَهُ وَهَذَا اُمَامَاةُ
الْعَمَلِ بِقَوْلِهِ وَاِنْ لَمْ يَصْرَحُوا
بِالْفَتْوَى عَلَيْهِ اِذَا التَّرْجِيحُ
كَمَرْيَةِ التَّصْحِيحِ لِانَّ الْمَرْجُوْحَ
طَائِفٌ بِمُقَابَلَتِهِ بِالْمَرْجُوْحِ
وَحَيْثُ فَلَا يَعْدُلُ الْمُفْتَى وَلَا الْقَاضِي
عَنْ قَوْلِهِ اِلَّا اِذَا صُرِّحَ اِلَى اٰخِرِ

میں شرط ہے، قولِ امام کے خلاف فتویٰ دے دیا
تو ہم ان ہی کا اتباع کریں گے اس لئے کہ
انہیں زیادہ علم ہے۔ یہ بات کیسے کہی جاتی
ہے کہ ہمارے اوپر قولِ امام پر ہی فتویٰ دینا
واجب ہے اس لئے کہ ہمارے حق میں (قولِ
امام پر افتاء کی) شرط مفقود ہے، حالانکہ یہ
بھی اقرار ہے کہ وہ مشروط مشائخ کے حق میں
بھی مفقود ہے تو کیا یہ خیال ہے کہ ان حضرات
نے کسی ناروا امر کا ارتکاب کیا؟ — حاصل
یہ کہ طبعِ سلیم کے لئے انصاف کی قابلِ قبول بات
یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے
کہ مشائخ نے جو فتویٰ دیا ہے اُسے نقل کر دے۔
اسی بات پر ملازم، بنی شلبي اپنے فتاویٰ میں گمازن
ہیں، وہ فرماتے ہیں، اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا جائے اسی
لئے مشائخ اکثر ان ہی کی دلیل کو ان کے مخالف
کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے
استدلال کا جواب بھی پیش کرتے، یہ اس بات
کی علامت ہے کہ عملِ قولِ امام پر ہو گا اگرچہ
ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو
کہ فتویٰ قولِ امام پر ہے اس لئے کہ ترجیح خود
صراحتِ تصحیح کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ مرجوح رائج کے
مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے۔ جب معاملہ یہ ہے
تو قاضی یا مفتی کو قولِ امام سے انحراف کی گنجائش
نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے

ما مر، قال وهو الذي مشى
عليه الشيخ علاؤ الدين
الحصكفي إيفاء في صدر شرحه
على التنوير حيث قال واما
نحن فعلينا اتباع ما سجدوا
وصحوة كما افتوا في حياتهم
فان قلت قد يحكون
اقوالا بلا ترجيح وقد يختلفون
في التصحيح قلت يعمل
بمثل ما عملوا من اعتبار
تغير العرف واهوال
الناس وما هو الا مقلد
وما ظهر عليه المتعامل
وما قوبل وجهه و
لا يخلو الوجود من يميز
هذا حقيقة لا ظنا وعلب
من لم يميز ان
يرجع لمن يميز لبرادة
ذمتهم والله تعالى
اعلم.

کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو (آخر عبارت تک
جو فتاویٰ ابن شکی کے حوالے سے پہلے گزری)۔
آگے علامہ شامی لکھتے ہیں، یہی وہ ہے جس پر
شرح توفیر کے شروع میں شیخ علامہ ابن حصکفی
بھی گام زن ہیں، وہ رقم طراز ہیں، لیکن ہم پر تو
اسی کی پیروی لازم ہے جسے حضرات مشایخ نے رائج
و صحیح قرار دیا جیسے وہ اپنی حیات میں اگر فتویٰ دیتے
تو ہم اسی کی پیروی کرتے۔ اگر یہ سوال ہو کہ حضرات
مشایخ کہیں متعدد اقوال بلا ترجیح نقل کر دیتے ہیں
اور کبھی نصیح کے معاملے میں ایک دوسرے سے اختلاف
رکھتے ہیں، ان مسائل میں ہم کیا کریں؟ — تو ہمارا
جواب یہ ہوگا کہ جیسے ان حضرات نے حل کیا ویسے
ہی ہمارا حل ہوگا سنی لوگوں کے حالات اور عرف
کی تبدیلی کا اعتبار ہوگا۔ یوں ہی اس کا اعتبار
ہوگا جس میں زیادہ آسانی اور فائدہ ہو یا جس پر
لوگوں کا عمل درآمد نمایاں ہو یا جس کی دلیل قوی
ہو۔ اور بزم وجود کبھی ایسے افراد سے خالی نہ ہوگی
جو محض گمان سے نہیں بلکہ واقعی طور پر اقوال کے
درمیان اتنی تمیز رکھنے والے ہوں گے اور جس میں
تمیز کی یقینیت نہ ہو اس پر عہدہ برآ ہونے کے لئے
یہ لازم ہے کہ صاحب تمیز کی جانب رجوع کرے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

اقول و تلك شحكة

اقول یہ ایسی شکایت ہے جس کا

عار آپ سے دور ہے۔ بیان حق کے لئے ہم پہلے چند مقامات پیش کرتے ہیں جن کے باعث حقیقت کے رُخ سے پردہ اٹھ جائے گا۔

مقدمہ اول: کسی قول کی نقل و حکایت اور کسی قول پر افتاء دونوں ایک نہیں۔ ہم ایسے بہت سے اقوال بیان کرتے ہیں جو ہمارے مذہب سے باہر کے ہیں اور کسی کو یہ وہم نہیں ہوتا کہ ہم ان اقوال پر فتویٰ دے رہے ہیں۔ افتاء یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کر کے سائل کو بتایا جائے کہ تمہاری مسئلہ صورت میں حکم شریعت یہ ہے۔ یہ کام کسی کے لئے بھی اُس وقت تک حلال نہیں جب تک اُسے کسی دلیل شرعی سے اس حکم کا علم نہ ہو جائے، ورنہ جزا (۱) ٹکلی سے بتانا اور شریعت پر افتاء ہو گا اور ان ارشادات کا مصداق بھی بننا ہو گا (۱) کیا تم خدا پر دہوتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں (۲) فرماؤ کیا اللہ نے تمہیں اذن دیا یا تم خدا پر افتاء کرتے ہو۔

مقدمہ دوم: دلیل دو طرح کی ہوتی ہے، (۱) تفصیلی۔۔۔ اس سے آگاہی اہل نظر و

ظاہر عنك عارها، ولنقدم لبيان الصواب مقدمات تكشف الحجاب.

الاولى ليس حكاية قول افتاء به فاننا نحكي اقوالا خارجة عن المذهب ولا يتوهم احد اننا نفتي بها انما الافتاء ان تعتمد على شئ وتبين لسانك ان هذا حكم الشرع في ما سالت وهذا لا يحل لاحد من دون ان يعرفه عن دليل شرعي والا كانت حيزا فاد افتاء عن الشرع ودخولا تحت قوله عز وجل امر تقولون على الله ما لا تعلمون وقوله تعارف قبل الله اذن لكم ام علم الله تفترقون.

المثانية الدليل على وجهين اما تفصيل ومعرفة خاصة باهل النظر

والدليل الثاني وانما ليس حكاية محضه وانما لا يجوز الا عن دليل.

والدليل دليلان تفصيلي خاص معرفته بالاجتهاد والجمالي بد منه حتى للمقلد.

له القرآن الكريم ۸۰/۲

۵۹/۱

والاجتهاد فان غيره وامث علم
 دليل المجتهد في مسألة لا يعلمه
 الا تقيد اكما يظهر مما بينا في
 رسالتنا المباركة ان شاء الله تعالى
 الفضل الموهبي في معنى اذا اصح
 الحديث فهو مذهبى فان قطع
 تلك المنازلة الق بيننا فيها
 لا يمكن الا المجتهد و اشار الى بعض
 قليل منه في عقود رسم المفق اذا نقل
 فيها ان معرفة الدليل انما تكون
 للمجتهد لتوقفه على معرفة سلامته
 من المعارض وهي متوقفة على استقرار
 الادلة كلها ولا يقدر على ذلك
 المجتهد اما مجر د معرفة ان المجتهد
 الغلاف اخذ الحكم الغلاف من الدليل
 لغلافي فلا فائدة فيها

او جمالى كقوله سبحانه فاسألوا
 اهل الذکر ان كنتم لا تعلمون، و
 قوله تعالى اطيعوا الله و اطيعوا
 الرسول واولى الامر منكم، فانهم
 العلماء على الاصح و

شرح عقود رسم المفق رسالہ من رسائل ابن عابدین

۴۳/۱۶

۵۹/۴

اجتہاد کا خاص حصہ ہے دوسرے کو اگر کسی مسئلے
 میں دلیل مجتہد کا علم ہوتا بھی ہے تو تقلیداً ہوتا ہے
 جیسا کہ اس سے ظاہر ہے جو ہم نے اپنے رسالہ
 الفضل الموهبی فی معنی اذا اصح الحديث
 فہو مذهبى میں بیان کیا (خدا نے چاہا تو یہ
 رسالہ بابرکت ثابت ہوگا)۔ اس لئے کہ
 اس رسالے میں جو نزلیں ہم نے بتائی ہیں انہیں
 طے کرنا سوائے مجتہد کے اور کسی کے بس کی بات
 نہیں۔ اس میں سے کچھ تھوڑی سی مقدار کی
 جانب عقود رسم المفق میں بھی اشارہ ہے۔
 اس میں یہ نقل کیا ہے کہ دلیل کی معرفت مجتہد ہی
 کو ہوتی ہے اس لئے کہ یہ اس امر کی معرفت پر
 موقوف ہے کہ دلیل ہر معارض سے محفوظ ہے اور یہ معرفت
 تمام دلائل کے استقرار اور چھان بین پر موقوف ہے جس
 پر بجز مجتہد کسی کو قدرت نہیں ہوتی، اور صرف اتنی قنیت
 کہ خداں مجتہد نے فلاں حکم فلاں دلیل سے اخذ کیا ہے
 قراتتے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھتا۔

(۲) اجمالی — جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:
 ذکر والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں — اور
 ارشاد ہے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی
 اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحب امر
 ہیں۔ یہ اصحاب امر پر قول اصح حضرات علماء ذکر کیا

سبیل اکیڈمی لاہور ۳۰/۱

فتہ رسالہ الفضل الموهبی فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جلد ۲، ص ۶۱ پر ملاحظہ ہو۔

وقوله صلى الله تعالى عليه وسلم
الاسألو اذ لم يعلموا فانما
شفاء العی السؤال له

وعن هذا نقول ان اخذنا
باقوال امامنا ليس تقليدا شرعيا
لكونه عن دليل شرعی انما هو تقليد
عرفی بعدم معرفتنا بالدلیل التفصیلی
اما التقليد الحقيقي فلا مساع له في
الشرع وهو المراد في كل ما ورد في
ذم التقليد والجهال الضلال يلتسبون على
العوام في حملونه على التقليد العرفی
الذي هو فرض شرعی على كل من
لم يبلغ مرتبة الاجتهاد.

قال المدق البهاری فی مسلم الثبوت
التقليد العمل بقول الغير من غیر حجة
كاخذ العمی والمجتهد من سلسلة
فالرجوع الى النبي صلى الله تعالى
عليه وسلم والى الاجماع ليس منه
وكذا العمی الى الفتی لقاضي الى العدل

ہیں۔ اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے: جب انہیں معلوم نہ تھا تو پوچھا
کیوں نہیں، عاجز کا علاج یہی ہے کہ سوال کرتے۔

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اپنے امام کے
اقوال کو تسلیم و قبول کرنا تقلید شرعی نہیں، بس
تقلید عرفی ہے اس لئے کہ دلیل تفصیلی کی ہمیں
معرفت نہیں۔ اور تقلید حقیقی کی تو شریعت
میں کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اور مذمت تقلید میں
جو کچھ وارد ہے اس میں تقلید حقیقی ہی مراد ہے۔
اہل جمالت و ضلالت عوام پر تلبیس کر کے اسے
تقلید عرفی پر محمول کرتے ہیں جب کہ یہ ہر اس
شخص پر فرض شرعی ہے جو رہتے اجتہاد تک
نہ پہنچے۔

مدق بہاری مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں،
تقلید یہ ہے کہ دوسرے کے قول پر بغیر کسی دلیل
کے عمل ہو۔ جیسے عامی اور مجتہد کا اپنے جیسے سے
اخذ کرنا۔ تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب
یا اجماع کی جانب رجوع لانا تقلید نہیں اسی طرح
عامی کا مفتی کی جانب اور قاضی کا گواہان عادل

فتا الفرق بین التقليد الشرعی المذموم والعرفی الواجب و بیان ان اخذنا باقوال
امامنا ليس تقليدا في الشرع بل بحسب العرف وهو عمل بالدلیل حقيقة و بیان
تلبیس الوهابیة فی ذلك

لا ینجیب النص ذلك علیہما لکن العرف
علی ان العامی مقلد للمجتہد
قال الامام وعلیہ معظم
الاصولیین (۱)۔

وشرحہ المولیٰ بحر العلوم
فی فواتح الرحموت هكذا (التقلید
العمل بقول الغير من غیر حجة)
متعلیٰ بالعمل و لیس دہا بحجة حجة
من العجبة الاربع والا فقول
المجتہد دلیلہ وحجۃ (کاخذ العامی)
من المجتہد (و) اخذ
(المجتہد من مثله فالرجوع
الی النبی علیہ) و الہ و
اصحابہ (الصلوٰۃ والسلام و الی الاجماع
یس منہ) فانه رجوع الی الدلیل
(وکذا) رجوع (العامی الی المفتی
و القاضی الی العدول) لیس
هذا الرجوع لفسہ تقلیداً وان
لان العمل بما اخذ و ابعده تقلیداً
(لا ینجیب النص ذلك علیہما) فهو
عمل بحجة لا بقول الغير فقط
(لکن العرف) دل (علی ان العامی
مقلد للمجتہد) بالرجوع الیہ (فتا

کی جانب رجوع اس لئے کہ یہ ان دونوں پر نص
نے واجب کیا ہے۔ لیکن عرف یہ ہے کہ عامی
مجتہد کا مقلد ہے۔ امام نے فرمایا اسی پر ہمیشہ تر
اہل اصول ہیں (۱)۔

مولانا بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں اس
کی شرح یوں کی ہے: (قوسین کے درمیان
متن کے الفاظ میں ۱۴م) (تقلید، دوسرے کے
قول پر عمل، بغیر کسی دلیل کے) یہ عمل سے متعلق
ہے۔ اور دلیل سے مراد اولہ اربعہ (کتاب،
سنت، اجماع، قیاس) میں سے کوئی دلیل
ہے۔ ورنہ مجتہد کا قول ہی اس کی دلیل اور
حجت ہے (جیسے عامی کا اخذ کرنا) مجتہد سے
(اور مجتہد کا اپنے مثل سے) اخذ کرنا (تو تہی علیہ)
و اکملہ واصحابہ (الصلوٰۃ والسلام یا اجماع کی
جانب رجوع تفسید نہیں) اس لئے کہ یہ
تو دلیل کی جانب رجوع ہے۔ (اور اسی طرح
عامی کا مفتی، اور قاضی کا گواہان عادل کی جانب)
رجوع کرنا، اگر خود یہ رجوع تقلید نہیں اگرچہ بعد
رجوع جو خذ کیا اس پر عمل، تقلید ہے (کیونکہ یہ
ان دونوں پر خود نص نے واجب کیا ہے) تو یہ
ایک دلیل پر عمل ہے (لیکن عرف اس پر)
دلائل کرتی (ہے کہ عامی، مجتہد کا مقلد ہے)
کیونکہ وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے (امام نے

(الامام) امام الحرمین (وعلیہ معظم
الاصولین) وهو المشہر القمہ علیہ آئمہ۔

اقول فیہ نظر من وجوہ ،
فاولا لا فرق فی الحکم بین الاخت
د ارجوع حیث لا مرجوع الا للاخذ
اد لم یوجبہ الشرع الالہ و لم ی
سأل العامی امامہ و لم یعمل
بہ کات عابشا متلایا والشرع
متعال عن الامر بالعبث فامت
بمیکت الرجوع تقلید الوجوبہ
بائن لم یکن لاخذ ایضا من المتقلید
قطعا الوجوبہ بعین النص۔

وثانیاً الآية الاولی اوجبت
الرجوع والثانیة الاخذ فطرح
الفرق۔

وثالثاً حیث اتحد ما
لرجوع والاخذ فعل تقریر الشارح
یتناقض قوله المتقلید اخذ العامی

فرمایا) امام الحرمین نے (اور اسی پر اکثر اہل اصول
ہیں) اور یہی مشہور ہے جس پر اعتماد ہے۔

اقول یہ شرح چند وجوہ سے عملی نظر ہے،
اولاً اخذ اور رجوع کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔
اس لئے کہ رجوع اخذ ہی کے لئے ہوتا ہے کیونکہ
شرطیت نے اخذ ہی کے لئے رجوع واجب کیا ہے
اگر عامی اپنے امام سے پوچھے اور اس پر عمل
نکڑے تو عبث اور کھیل کرنے والا قرار پائے گا
اور شرطیت اس سے برتر ہے کہ عبث کا حکم
فرمائے۔ تو رجوع اگر اس وجہ سے تعلید نہیں
کہ وہ نص سے واجب ہے تو اخذ بھی ہرگز تعلید
نہیں کیونکہ یہ بھی بعینہ اسی نص سے واجب ہے۔
ثانیاً پہلی آیت "فاسئخوا" نے
رجوع واجب کیا، اور دوسری "اطیعوا" نے
اخذ واجب کیا، تو اخذ و رجوع کے حکم میں فرق
بیکار ہوا۔

ثالثاً جب رجوع اور اخذ دونوں کا
مال ایک ہے تو برتقریر شارح متن کہ ان دونوں
عبادتوں میں تناقض لازم آئے گا (۱) عامی کا

۱۔ معروضۃ علی العلامة بحر العلوم
۲۔ معروضۃ علیہ
۳۔ معروضۃ علیہ

لہ دوائج الرحمن بذیل المستغنی الاصل الرابع فصل فی تعریف التعلید الخ طہورات الرضی قم ایران

مجتہد سے اخذ کرنا تقلید ہے (۲) عامی کا مفتی کی جانب رجوع کرنا تقلید نہیں۔ اس لئے کہ مفتی وہی ہے جو مجتہد ہو جیسا کہ متن میں عبارت مذکورہ سے متصل ہی گزر چکا ہے۔

مسألة أياً حجت ودليل في توضيح من شارح نے اولہ اربعہ میں سے کوئی دلیل "کہ" اگر اس سے مراد دلیل تفصیلی ہے یعنی وہ خاص دلیل جو پیش آمدہ جزئیہ مسئلہ سے متعلق ہے (اسے جانے بغیر دوسرے کا قول لے لینے کا نام تقلید ہے) — تو یہ کہنا باطل ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا اجماع کی طرف رجوع تقلید نہیں۔ اس لئے کہ یہ رجوع دلیل تفصیلی کا علم و ادراک ہیں اور اگر اس سے مراد دلیل اجمالی ہے جیسے عام ارشادات شریعہ تو مجتہد سے عامی کے اخذ کو تقلید کہنا باطل ہے کیوں کہ یہ بھی ایک دلیل شرعی کے تحت ہے۔

خاتماً جب ابتدائی فیصلہ کر دیا کہ عامی کا مجتہد سے اخذ کرنا تقلید ہے تو بعد میں بطور استدراک یہ عبارت لانے کا کیا معنی؟ لیکن حرف اس پر ہے کہ عامی، مجتہد کا مقلد ہے۔ سادساً نفس رجوع تقلید ہرگز نہیں

من المجتهد وقوله ليس منه رجوع العامي الى المفتي فان المفتي هو المجتهد كما في المتن متصلاً بما مر.

ومر إبعاناً أرسيد بحجة من لا راع التفصيلية اعنى الخاصة بالجزئية تنازلة بطل قوله فالرجوع الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم او الاجماع ليس منه فانه لا يكون عن ادراك الدلائل التفصيلية وان ارسيد الاحتمالية كالعمومات الشرعية بطل جعله اخذاً عامي من المجتهد تقليد فانه ايضا عن دليل شرعي.

وخاتماً اذ قد حكم ادلا ان اخذ العام عن المجتهد تقليد فاما معنى الاستدراك عليه بقوله لکن العرف الزی وسادساً ليس نفس الرجوع

۱۔ معروضۃ علی المولیٰ بحر العلوم۔

۲۔ معروضۃ علیہ۔

۳۔ معروضۃ علیہ۔

ورنہ کسی مسئلے میں امام شافعیؒ مطہری علیہ الرحمہ کا مذہب معلوم کرنے کے لئے کتب شافعیہ کی جانب ہمارا رجوع کرنا امام شافعیؒ کی تقلید ٹھہرے۔ حالانکہ کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا۔

سابعاً اسی کے مثل یا اس سے بھی زیادہ حیرت خیز بات۔ ہر لی کہ اگر قاضی نے گواہوں کی شہادت لے لی تو اسے یہ ٹھہرایا کہ قاضی نے گواہوں کی تقلید کر لی۔ ایسی تقلید سے نہ کوئی عفت آشنا ہے نہ شریعت میں کہیں اس کا نام و نشان۔ کسے جرات ہے کہ قاضی اسلام کو۔ خواہ وہ امام ابو یوسف ہی ہوں۔ ایسے دو ذمیوں کا مقلد کہہ دے

حسبہ بلکہ کوئی شخص جرات کر سکتا ہے کہ خلفائے راشدین کو ذمیوں کا مقلد کہے اور آپ جانتے ہیں کہ قاضی تو عفت گواہوں کے اس قول سے وثنیہ حاصل کرتا ہے اس معاملہ میں جس واقعہ حسیہ کا انھوں نے مشاہدہ کیا ہو اگر اس چیز کا نام تقلید ہے تو کوئی امام صحابی اور نبی تقلید سے سالم نہ رہے گا اور مسلم شریف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ہمیں تمیم واری نے حدیث بیان کی اور منہ غفر لہ (ت)

۱۔ معروضۃ علیہ

قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۴/۲۰۵۵

تقلید اقطوالا لکان من جوعنا الی کتب الشافعیۃ لنعلم ما مذہب الامام المطہری فی المسألة تقلید الہ ولا یستوہبہ احد۔

وسابعاً مثله او اعجب منه جعل اخذ القاضی بشهادة الشہود تقلیداً منہ لہم فانہ تقلید لا یعرفہ عرفہ ولا شہود من یتجاسر ان یشہ قاضی الاسلام ولو ابا یوسف مقلد ذمیین اذا قضی بشہادتہما علی ذنب

حسبہ بل وامراء المؤمنین الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وانت تعلم انہ لیس بالاثقة بقول الشہود فیما اخبروا بہ عن واقعة حسیة شہدوها ولو کان هذا تقلید الم یسلم من تقلید احد الناس امام ولا صحابی لا ہی ولی مسلم قوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حد ثنا تمیم الداری امرہ غفر لہ۔

۱۔ معروضۃ علیہ

۲۔ معروضۃ علیہ

لے صحیح مسلم کتاب بقیۃ باب قصۃ الجاستہ

جن کی شہادت پر اس نے کسی ذاتی کے حلال
فیصلہ کر دیا ہو،

بلکہ حق مذکور کے حل میں حق وہ ہے جو اس
جہالت پر خود میں نے کبھی لکھا تھا وہ اس طرح
ہے، (قوسین میں تین کے الفاظ ہیں ۱۲) (م)
(تعلم) حقیقی (دوسرے کے قول پر) اصل
کسی بھی (دلیل کے بغیر حل کرنا، جیسے عامی کا
اخذ کرنا) اپنے ہی جیسے عامی سے، یہ بالاجماع
ہے، اس لئے کہ عامی کا قول سرے سے دلیل
ہی نہیں، نہ خود اس کے لئے نہ کسی اور کے لئے
(اور) اسی طرح (مجتہد کا اپنے ہی جیسے شخص سے)
اخذ کرنا، یہ حکم اس مذہب جوہر پر ہے کہ ایک
مجتہد کے لئے دوسرے مجتہد کی تعلیم جائز نہیں۔
یہ اس لئے کہ جب وہ اصل سے اخذ کرنے پر
قادر ہے تو اس کے حق میں حجت وہی اصل ہے۔
اسے چھوڑ کر اپنے ہی جیسے شخص کے گمان کی جانب
رجوع کرنا ایسی چیز کی طرف رجوع ہے جو اس کے
حق میں حجت نہیں، تو یہ بھی تعلیم حقیقی ہوگی۔ اس
سے معلوم ہوا کہ "مثله" میں ضمیر عامی اور مجتہد
ہر ایک کی جانب جمع ہے، صرف مجتہد کی طرف نہیں۔

جیسا کہ ہر صاحب ذوق پر ظاہر ہے، قطع نظر اس
خوابی سے جو صرف مجتہد کی جانب راجع ٹھہرانے
میں لازم آتی ہے ۱۲ منہ (ت)

بل الحق في حل المت
ما رأيتني كتبت عليه
هكذا (التقليد) الحقيقي
هو (العمل بقول الغير من
غير حجة) أصلاً (لاخذ
العامي) من مثله و
هذا بالاجماع، اذ ليس قول
العامي حجة أصلاً لأنفسه
ولا لغيره (و) كذلك اخذ
(المجتهد من مثله) على
مذهب الجمهور من عدم
جوهر تقليد مجتهد مجتهداً آخر
وذلك لأنه لما كانت
قواعد على الاخذ من
الأصل فالحجة في حقه
هو الأصل وعدوله عنه إلى ظن
مثله عدول إلى ما ليس
حجة في حقه فيكون تقليداً حقيقياً
فالصحيح في مثله إلى كل من العامي
والمجتهد لا إلى المجتهد خاصة

عن كمالا يخفى على كل ذي ذوق
فضلاً عن النظر إلى ما يلزم ۱۲ منہ

نسب: معروضۃ علیہ

واذا عرفت ان التقيد الحقيقي
يعتمد انتفاء الحجة من أسلاف الرجوع
الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
او الى الاجماع وان لم نعرف دليل
ما قاله صلى الله تعالى عليه وسلم
او قاله اهل الاجماع تفصيلا (ليس
منه) اي من التقيد الحقيقي لوجود
الحجة الشرعية ولو اجمالا (وكذا) رجوع
(العامي) من ليس مجتهد (الى المفتي)
وهو المجتهد (و) رجوع (لخاصي الم)
الشهود (العدول) واحدا بقوله
ليس من التقيد في شيء لانفس الرجوع و
لا العمل بعده (لايجاب) نص ذلك
الرجوع واسم (عليها) فيكون علام حجة و
لواجمالية كما عرفت. هذا هو حقيقة
التقيد (لكن العرف) محض (على
ان العامي مقلد للمجتهد)
فجعل عمل بقوله من
دوت معرفة دليله
اتفصيلي تقيد له وان كانت انما

جب یہ معلوم ہو گیا کہ تعلیق حقیقی کا مدار اس پر ہے
کہ سرے سے کوئی دلیل نہ ہو (تو نبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم یا اجماع کی طرف رجوع) اگرچہ ہمیں
تفصیلی طور پر اس کی دلیل معلوم نہ ہو جو رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یا جو اہل اجماع
نے کہا (اس سے نہیں) یعنی تعلیق حقیقی ہمیں
اس لئے کہ حجت شرعیہ موجود ہے اگرچہ اجمالا
ہے (اسی طرح عامی) جو مجتہد نہیں (کا مفتی)
مفتی۔ وہی ہے جو مجتہد ہو (کی طرف) رجوع
(اور قاضی کا عادل) گواہوں (کی طرف) رجوع
اور ان کا قول لینا کسی طرح تعلیق نہیں، نہ ہی
نفس رجوع اور نہ ہی اس کے بعد عمل۔ کوئی
بھی تعلیق نہیں (اس لئے کہ ان دونوں کی)
یہ رجوع و عمل (نفس نے واجب کیا ہے) تو یہ
ایک دلیل پر عمل ہو گا اگرچہ اجمالی و دلیل پر
جیسا کہ معلوم ہوا۔ تعلیق کی حقیقت تو یہی ہے
(لیکن عرف اس پر) جاری (ہے کہ عامی مجتہد
کا مقلد ہے) قول مجتہد کی دلیل تفصیلی سے
اشتمالی کے بغیر اس پر عامی کے عمل کہ اس کی
تعلیق قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ مجتہد کی طرف عامی

عہ تقید یہ اولیٰ من تقید بر دل
کیا لا یخفی اہ منہ عرفہ

یہ نقطہ یہاں مقدر ماننا لفظ دلالت مقدر ماننے
سے اولیٰ ہے جیسا کہ ظاہر ہے ۱۲ منہ (مت)

فہ: معروضہ علیہ۔

یرجع الیہ لانه ما ورثوا عا یا المرجوع الیہ
والاخذ بقوله فكان عن حجة
لا بغيرها وهذا اصطلاح خاص
بهذا لا الصورة فالعمل بقول
النسبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
وبقول اهل الاجماع لا یسمیہ
العرف ایضا تقلیداً (قال الامام) هذا
عرف العامة (و مشی علیہ معظم الاصولیین)
والاصطلاحات سائفة لا محل فیہا
للتذیل بان هذا ضعیف و ذالک
معتمد کما لا یخف هذا
هو التقرير الصحیح لهذا
الحکام واللہ تعالیٰ ولی
الانعام۔

الثالثة اقول حیث علمت
ان الجمهور علی منہ اهل النظر
من تقلید غیرہ وعندہم اخذہ
بقوله من دون معرفة دلیلہ
التفصیلی یرجع الی التقليد الحقیقی
المنظور اجماعاً بخلاف
العالم فانہ عند معرفتہ
الدلیل التفصیلی یوجب علیہ
تقلید المجتہد و الا لزم

اسی لئے رجوع کرتا ہے کہ اسے شرعاً اس کی جانب
رجوع کرنے اور اس کا قول لینے کا حکم دیا گیا ہے
تو یہ رجوع دلیل کے تحت ہے بلا دلیل نہیں۔
یہ ایک اصطلاح ہے جو اسی صورت سے خاص ہے
اور قول رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اور قول اہل اجماع پر عمل کو تعرف میں بھی تقبیہ
نہیں کہا جاتا (امام نے فرمایا) یہ عرف عام ہے
(اور اسی پر اکثر اہل اصول گام زن (ہیں) اصطلاح
کوئی بھی قائم کرنے کی گنجائش ہوتی ہے تو سبھی
اصطلاحیں روا ہوتی ہیں ان سے متعلق پر نوٹ
لگانا بے عمل ہے کہ فلاں اصطلاح ضعیف ہے
اور فلاں معتد ہے، جیسا کہ مخفی نہیں یہ ہے
کلام نہ کوئی یہاں تقریر۔ اور خدا سے تعالیٰ ہی
فضل و انعام کا مالک ہے

مقدمہ سوم اقول معلوم ہو چکا کہ
جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہل نظر و اجتہاد کے لئے
یہ جائز نہیں کہ دوسرے کسی مجتہد کی تقلید کرے
اور وہ اگر دوسرے کا قول اس کی دلیل تفصیلی
سے آگاہی کے بغیر لے لیتا ہے تو جمہور کے
تذریک یہ تقلید حقیقی میں شامل ہے جو بالاجماع
حرام ہے۔ عامی کا حکم اس کے برخلاف ہے اس
لئے کہ دلیل تفصیلی سے نا آشنا ہی اس پر واجب
کرتی ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرے ورنہ لازم آئیگا

التكليف بما ليس في الواسع أو تركه
سدى ظهرا من عدم معرفة
الدليل التفصيلي له اثرات
تعريم التقليد في حق اهل النظر
وإيجابه في حق غيرهم
ولا غرو ان يكون شئ واحد
موجبا ومحسرا معالشي آخر
باختلاف الوجه لعدم المعرفة
لعدم الاهلية موجب
للتقليد ومعها محرم له.

الرابعة الفتوى حقيقية وعربية
فالحقيقة هو الافتاء عن معرفة
الدليل التفصيلي وأولئك الذين
يقال بهم أصحاب الفتوى ويقال بهذا
افتى الفقيه أبو جعفر والفقيه
أبو ليث وأضرابهم رحمهم الله تعالى،
والعرفية أخبار العالم بأقوال الأصنام
جاهلونها تقليد اله من دون تلك
المعرفة كما يقال فتاوى
أبي نعيم وأبي حنيفة و
الطوري وأصاوي الخيرية وهلم

کہ اسے ایسے امر (دلیل تفصیلی سے آگاہی) کا کلفت
کیا جائے جو اس کے بس میں نہیں یا یہ کہ سے بیکار
چھوڑ دیا جائے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ دلیل
تفصیلی سے نا آشنائی کے وہ اثر ہیں (۱) صاحب نظر
کے لئے وہ تعلیم کو حرام ٹھہراتی ہے (۲) اور غیر اہل نظر
کے لئے وہی نا آشنائی تعلیم کو واجب قرار
دیتی ہے اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ایک
ہی چیز کسی دوسری چیز کو انگ انگ دہوں کے
تحت واجب بھی ٹھہرائے اور حرام بھی تو یہی
نا آشنائی فقہان اہلیت کے ہاٹھ تعلیم کو
واجب قرار دیتی ہے، اور اہلیت ہوتے ہوئے
تعلیم کو حرام قرار دیتی ہے۔

مقدمہ چہارم، ایک حقیقی فتویٰ ہوتا ہے،
ایک عربی۔ فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی
کی آشنائی کے ساتھ فتویٰ دیا جائے۔ ایسے ہی
حضرات کو اصحاب فتویٰ کہا جاتا ہے اور اسی معنی
میں یہ بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر، فقیہ ابو الیث
اور ان جیسے حضرات رحمہم اللہ تبارک نے فتویٰ دیا۔
اور فتوائے عربی یہ ہے کہ اقوال امام کا علم رکھنے
والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تعلیم
کے طور پر کسی نہ جانتے والے کو بتائے۔ جیسے
کہا جاتا ہے فتاویٰ ابن نجیم، فتاویٰ غزالی،
فتاویٰ طوری، فتاویٰ خیر، اسی طرح زمانہ

تغزلنا مانا ورتبہ الی الفتاویٰ الرضویۃ
جعلہما اللہ تعالیٰ مرضیۃ مرضیۃ
امین!

الخاصۃ اقول وبالله التوفیق،
القول قولان صوری وضروری فالصو
ر هو القول المنقول والمنقول هو
ما لم یقلہ القائل نصاً بالخصوص
لکنہ قائل بہ فی ضمن
العموم المحاکم ضروریۃ بان لو
تکلم فی هذا الخصوص لتکلم
کذا أو بما یخالف الحكم الضروری
الحکم الصوری وح یقصر علیہ
الضروری حتی ان الالحذ
بالصوری يعد مخالفة
للقائل والعدول عنه الی
الضروری موافقة او
اتباعاً لہ کانت کانت
من مبدء صالحا فامر
عمر وخدامہ باکرامہ
نصا جہا ساد کسور ذلك
علیہم صراس او قد کانت قال
لہم ایاکم ان تکرموا
فاسقاً ابدا فیعد

رتبہ میں ان سے فروتر فتاویٰ رضویہ تک
چلے آئے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اپنی رضا کا
باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے۔ آمین!
مقدمہ ششم: اقول وبالله التوفیق،
قول کی دو قسمیں ہیں، (۱) قول صوری (۲) قول
ضروری۔ قول صوری وہ ہے جو کسی نے راجح
کہا اور اس سے نقل ہوا۔ اور قول ضروری وہ ہے
جسے قائل نے صراحتہ اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ
کسی ایسے علم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس
سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ
اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی
ہوتا۔ کبھی حکم ضروری، حکم
صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ ایسی
صورت میں حکم صوری کے
خلاف حکم ضروری راجح و حاکم ہوتا ہے یہاں تک
کہ صوری کو لینا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے
اور حکم صوری چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو
قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے۔
مثلاً زید نیک اور صالح تھا تو محمد نے اپنے
خادموں کو صراحتہ علانیہ زید کی تعظیم کا حکم دیا
اور بار بار ان کے سامنے اس حکم کی تکرار بھی
کی۔ اور اس سے ایک زمانہ پہلے ان خدا کو ہمیشہ کیلئے
کسی فاسق کی تکریم سے مخالفت بھی کر چکا تھا۔ پھر

کچھ دنوں بعد زید فاسق ملعون ہو گیا۔ اب اگر عمر و کے خدام اس کے کمرے میں شہہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمر و کے نامزدگان شہادہ ہوں گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کر دیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔

اسی طرح اقوالِ ائمہ میں بھی ہوتا ہے (کہ ان کے حکم ضروری کے خلاف کوئی حکم ضروری پایا جاتا ہے) اس کے درج ذیل اسباب پیدا ہوتے ہیں: (۱) ضرورت (۲) عرج (۳) عرفت (۴) قسائل (۵) کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہے (۶) کوئی بڑا مفسده جس کا ازالہ مطلوب ہے۔

یہ اس لئے کہ ضرورتوں کا استثنا، عرج کا دفعہ، ایسی دینی تعلیمات کی رعایت جو کسی ایسی خرابی سے خالی ہوں جو ان سے بڑھی ہوئی ہے، مفاسد کو دور کرنا، عرفت کا لحاظ کرنا، اور تعامل پر کاربند ہونا یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں۔ ہر امام ان کی جانباً نقل ان کا قائل اور ان پر اعتماد کرنے والا ہی ہے۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم رہا ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں قطعاً یہ یقین ہو گا کہ یہ

شرعاً منقطع نہیں بلکہ علانیہ فاسق اگر وہ بعد از خدامہ عملاً بنصہ المسکوم المقر کا فواعا صیت وان ترکوا اکرامہ کا نوا مطیعین۔

ومثل ذلك يقع في احوال الاثمة اما البعد و مث ضرورة أو حرم أو عرف أو تعارض أو مصلحة مهمة تجلب أو مفسدة مهمة تطلب.

وذلك لان استثناء الضرورات ودفع الحرج ومراعاة المصالح الدينية المخالفة عن مفسدة قریب علیہا ودرء المفاسد والاخذ بالعرف والعمل بالتعاضل كل ذلك قولہ کلیة معلومة من الشرع ليس احد من الائمة الا ما تلا إليها وقائلها ومعولا علیہا فاذا كان في مسألة نهي للامام ثم حدث احد تلك المغيرات علمنا قطعاً ان لو حدث علم مفسدة

فہ، چہ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے لہذا قولِ ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چہ باتیں، ضرورت، دفع عرج، عرفت، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون بننے غالب کا ازالہ، ان سبب میں بھی حقیقتاً قولِ امام ہی پر عمل ہے۔

لکان قوله علی مقتضاه لا علی
خلافه و مراده کمال العمل بقوله
الضروری غیر المنقول عنه
هو العمل بقوله لا الجسود
علی المأثور من لفظه۔

وقد عُدَّ في العقود مسائل
کثیرة من هذا الجنس ثم احوال
بیان کثیر أخر علی الاشباہ، ثم قال (فهذه)
کلمة قد تغیرت احکامها لتغیر الزمان
اما للضرورة و اما للعرف و اما
لقرائن الاحوال، قال و کُلُّ ذَلِكَ
غیر خارج عن المذهب لاسیما
صاحب المذهب لو کانت فی هذا
النزاع لقال بها و لو حدث
هذا التغیر فی زمانه لم یُنصَب
علی خلافها، قال و هذا الذی
جاء المجتهدین فی المذهب اهل
النظر الصحیح من المتأخرین علی
مخالفة المنصوص علیه من
صاحب المذهب فی کتب ظاهری
الروایة بناء علی ما کانت
فی من منه کما تصریحهم
به الخ۔

امر اگر ان کے زمانے میں پیدا ہوتا تو ان کا قول
اس کے تقاضے کے مطابق ہی ہوتا اسے رد
نہ کرتا اور اس کے برخلاف نہ ہوتا۔ ایسی صورت
میں ان سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا
ہی دراصل ان کے قول پر عمل ہے۔ ان سے
فعل شدہ الفاظ پر جم جانا ان کی پروری نہیں۔
عقود میں ایسے بہت سے مسائل شمار کرائے
اور بکثرت دیگر مسائل کے لئے اشباہ کا حوالہ
دیا۔ پھر یہ لکھا کہ یہ سارے مسائل ایسے
ہیں جن کے احکام تغیر زمان کی وجہ سے بدل گئے۔
یا تو ضرورت کے تحت، یا عرف کی وجہ سے،
یا قرائن احوال کے سبب۔ فرمایا، وریہ
سبب مذہب سے باہر نہیں، اس لئے کہ
صاحب مذہب اگر اس دور میں ہوتے تو
ان ہی کے قائل ہوتے۔ اور اگر یہ تبدیلی ان کے
وقت میں رونما ہوتی تو ان احکام کے برخلاف
صرحت نہ فرماتے۔ فرمایا، اسی بات نے
حضرات مجتہدین فی المذهب اور متأخرین میں
اصحاب نظر صحیح کے اندر یہ جرات پیدا کی
کہ وہ اس حکم کی مخالفت کریں جس کی تصریح
خود صاحب مذہب سے کتب ظاہر الروایہ میں
موجود ہے، یہ تصریح ان کے زمانے کے حالات
کی بنیاد پر ہے جیسا کہ اس سے متعلق ان کی تصریح
گزر چکی ہے الخ۔

اقول بل ربما يقع نظير ذلك في نص الشارع صلى الله تعالى عليه وسلم فقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم اذا استأذنت احدكم امرأته الى المسجد فلا يمنعها رواه احمد والبخاري ومسلم والنسائي وفي لفظ لا تمنعوا النساء الله مساجدا الله من واه احمد ومسلم صحيحهم عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهم ما ، و بالشاني رواه احمد وابوداود عن ابى هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بزيادة وليخرجن تعلات

اقول بل ربما يقع نظير خود نص شارع عليه الصلوة والسلام میں بھی ملتی ہے — خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ ہرگز اسے نہ روکے۔ (احمد، بخاری، مسلم، نسائی)۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں، اللہ کی بنیوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔ اس کے راوی امام احمد و مسلم ہیں اور یہ بھی حضرات ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ہیں۔ اور بلفظ دوم، ولیخرجن تعلات (اور وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں) کے اضافے کے ساتھ امام احمد و ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

فمنہ انہیں وجہ سے صحیح و موثقہ احادیث کا خلاف کیا جاتا ہے اور وہ خلاف نہیں ہوتا جیسے عورتوں کا جاتہ و مجہد و عیدین میں حاضر ہونا کہ زمانہ رسالت میں حکم تھا اور اب مطلقاً منع ہے۔

- ۱۔ صحیح البخاری کتاب الاذان باب استئذان المرأة زوجها الخ قديمی کتب خانہ کراچی ۱۲۰/۱
 صحیح مسلم کتاب الصلوة باب خروج النساء الى المساجد الخ ۱۸۳/۱
 مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المكتبة الاسلامی بیروت ۶/۲
 سنن النسائي کتاب المساجد النہی عن منع النساء الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۱۵/۱
 صحیح مسلم کتاب الصلوة باب خروج النساء الى المساجد قديمی کتب خانہ کراچی ۱۸۳/۱
 مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المكتبة الاسلامی بیروت ۱۶/۲
 سنن ابی داؤد کتاب الصلوة باب ما جاء في خروج النساء الى المساجد آفتاب عالم پریس لاہور ۸۴/۱
 مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرة المكتبة الاسلامی بیروت ۲/۲۳۸ و ۲۷۵ و ۵۲۸

وقد امر صلى الله تعالى عليه وسلم باخراج الحيض ذوات الخدا وريوم العيد فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحيض المصل قال امرأة يا رسول الله احذنا ليس لها جلباب قال صلى الله تعالى عليه وسلم لتلبسها صاحبتهما من جلبابها رواة البخاري ومسلم واخرون عن امر عطية مرضى الله تعالى عنها.

ومع ذلك نهى الائمة الشواب مطلقا والعجائز نهما ثم عموما النهى عما بقوله صلى الله تعالى عليه وسلم الضرورى المستفاد من قول امر المؤمنين الصديقة ورضى الله تعالى عنها لوامت رسول الله

تعالى عز سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ روز عیدین حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو باہر لائیں تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت و دعائیں شریک ہوں، اور حیض والی عورتیں عید گاہ سے الگ رہیں۔ ایک خاتون نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہماری بعض عورتوں کے پاس چادر نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، ساتھ والی عورت اسے اپنی چادر کا ایک حصہ اڑھا دے۔ اسے بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ اس کے باوجود ائمہ کرام نے نجان عورتوں کو مطلقاً اور بوڑھی عورتوں کو صرف دن میں مسجد جانے سے منع فرمایا۔ پھر سب کے لئے مخالفت عام کر دی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس قول ضروری پر عمل کے تحت کیا جو ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درج ذیل بیان سے مستفاد ہے، اگر رسول اللہ

ﷺ رات ہو یا دن، عورت جوان ہو یا بوڑھی، جسہ ہو یا عید، یا جماعت پنجگانہ یا مجلس وعظ، مطلقاً عورتوں کا جانا منع ہے۔

صحیح البخاری کتاب الحيض باب شهود الحائض العیدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۶/۱
صحیح مسلم کتاب العیدین فصل فی اخراج العواتق وذوات الخدور ۲۹۱/۱

لنکل فالمعتمد مذهب الامام اہ
 بمعناہ اجاب عنه فی التہرقات لا
 فیہ نظر بل هو ما خود مت قول
 الامام وذلک انہ انما منعہما القیام
 العامل وهو شرط الشهوة بناء
 علی ان الفسقة لا ینتثرون
 فی المغرب لانہم بالطعام
 مشغولون و فی الفجر والعشاء
 نائمون فاذا فرض انتشارہم
 فی هذه الاوقات لغلبة
 فسقہم کما فی نہ ماننا ببل
 تحریہم ایاہا کانت المنع
 فیہا اظہر من الظہر
 قال الشیخ اسمعیل و هو
 کلام حسن الی الغایة اھ ش۔

السادسة عامل اخر علی
 العدول عن قول الامام مختص
 باصحاب النظر وهو ضعف دلیلہ
 اقول ای فی نظرہم وذلک لانہم

فتویٰ دینا سبھی کے خلاف ہے۔ معتمد مذہب امام
 ہے اھ۔ تہر میں اس تردید پر جواباً یہ تحریر ہے،
 یہ محلی نظر ہے اس لئے کہ ذریعہ بحث فتویٰ قول امام
 سے ہی ماخوذ ہے وہ اس لئے کہ امام نے جن اوقات
 میں منع فرمایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ باعث منع
 موجود ہے وہ ہے زیادتی شہوت، اس لئے کہ
 فساق کھانے میں مشغولیت کی وجہ سے مغرب کے
 وقت راہوں میں منتشر نہیں ہتے اور فجر و عشاء کے
 وقت سوئے ہوتے (اور دیگر اوقات میں منتشر
 نہتے ہیں) تو جب فرض کیا جائے کہ وہ غلبہ فسق کی وجہ سے
 ان عینوں اوقات میں بھی منتشر رہتے ہیں جیسے ہمارے
 زمانے کا حال ہے بلکہ وہ خاص ان ہی اوقات
 میں نکلنے کی تاک میں رہتے ہیں، تو ان اوقات
 میں عورتوں کے لئے ممانعت، نظر کی ممانعت
 سے زیادہ ظاہر و واضح ہوگی۔ اھ۔ شیخ اسمعیل
 فرماتے ہیں آیہ نہایت عمدہ کلام ہے اھ۔ (شامی)
 معتمد ششم، قول امام چھوڑنے کا ایک
 اور باعث ہے جو اصحاب نظر کے لئے خاص ہے۔
 وہ یہ کہ اس کی دلیل کمزور ہو، قول یعنی
 ان حضرات کی نظر میں کمزور ہو۔ ان کے لئے

فت: العدول عن قوله بدعوى ضعف دليله خاص بالمجتهدين في المذهب وهم
 لا يخرجون به عن المذهب۔

لہ رد المحتار کتاب الصلوۃ باب الامامة وارجاء التراث العربی بیروت ۳۸۰/۱
 البحر الرائق باب الامامة ۳۵۹/۱ و نہر العائق باب الامامة ۲۵۱/۱ قدیمی کتب خانہ کراچی

مأمورون باتباع مايفهم لهم
 قال تعالى فاعتبروا يا اولئ
 الابصار^۱ ولا تكلفوا لابلوسع
 فلايسعهم الا العدول ولا يخرجون
 بذلك عن اتباع الامام
 بل متبعون لمثل قوله
 العام اذاصح الحديث فهو
 مذهب، ففي شرح
 الهداية لابن الشحنة
 ثم شرح الاشياء لبيروني
 ثم رد المحتار اذاصح
 الحديث وكانت على خلاف
 المذهب عمل بالحديث ويكون
 ذلك مذهباً ولا يخرج مقلدة
 عن كونه حنفياً بالعمل به فقد
 صح عنه انه قال اذاصح الحديث
 فهو مذهب^۲۔
 اقول يريد الصحة فقها
 وليستحيل معرفتها الا للمجتهد

یہاں قول امام چھوڑنے کا جواز اس لئے ہے
 کہ انھیں اسی کی اتباع کا حکم ہے جو ان پر ظاہر
 ہو۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے، اے بصیرت
 والو! فطرو اعتبار سے کام لو۔ اور تکلیف بقدر
 وسعت ہی ہوتی ہے۔ تو ان کے لئے چھوڑنے
 کے سوا کوئی گنناش نہیں۔ اور وہ اس کے
 باعث اتباع امام سے باہر نہ ہوں گے، بلکہ
 امام کے اس طرح کے قول عام کے تابع رہیں گے۔
 اذاصح الحديث فهو مذهب^۱ جب حدیث
 صحیح ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ابن شحنة کی شرح پر
 پھر بیرونی کی شرح اشباہ پھر رد المحتار میں ہے،
 جب حدیث صحیح ہو اور مذہب کے خلاف ہو
 تو حدیث پر عمل ہوگا، اور وہی امام کا بھی مذہب
 ہوگا، اس پر عمل کی وجہ سے ان کا مقلد خفیہ
 سے باہر نہ ہوگا اس لئے کہ خود امام سے بروایت
 صحیح یہ ارشاد ثابت ہے کہ جب حدیث صحیح
 مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔
 اقول یہاں صحت سے صحت فقہی
 مراد ہے جس کی معرفت غیر مجتہد کے لئے محال ہے

ف، السرا في اذاصح الحديث فهو مذهب هي المحجة القهية و
 لا تكفي الاشوية۔

۱۔ القرآن الکریم ۲/۵۹
 ۲۔ رد المحتار مقدمۃ الکتاب مطلب صحیح عن الامام انه قال اذاصح الحديث الزوار اجاد الشرا العری پر

لا الصحة المصطلحة عند المحدثين
كما بينته في الفضل الموهبي
بدلائل قاهرة يتعين
استفادتها۔

قال ثم فاذا نظر اهل المذهب
في الدليل وعملوا به صح
نسبته الى المذهب لكونه
صادرا باذن صاحب المذهب اذ
لا شك انه لو علم ضعف دليله
راجع عنه واتبع الدليل
الاقوى ولذا مر رد المحقق
ابن الهمام على بعض المشائخ
(حديثا) فتوا يقول الامامية باس
لا يعدل عن قول الامام الا
لضعف دليله۔

اقول هذا غير معقول ولا
مقبول وكيف يظهر ضعف دليله
في الواقع لضعفه في نظر
بعض مقلديه وهؤلاء اجلة
ائمة الاجتهاد المطلق مالك والشافعي
واحمد ونظر اؤهم رضي الله تعالى عنهم

اصطلاح محدثین والی صحت مراد نہیں۔ جیسا کہ
میں نے الفضل الموهبی میں اسے ایسے
قادر دلائل سے بیان کیا ہے جن سے آگاہی ضروری
ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں، جب اہل مذہب
نے دلیل میں نظر کی اور اس پر کاربند ہوئے
تو مذہب کی جانب اسے غسوب کرنا بجا ہے
اس لئے کہ یہ صاحب مذہب کے اذن ہی سے
ہوا کیونکہ انھیں اگر اپنی دلیل کی کمزوری معلوم
ہوتی تو یقیناً وہ اس سے رجوع کر کے اس سے
زیادہ قوی دلیل کی پیروی کرتے۔ اسی لئے جب
بعض مشائخ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا تو
محقق ابن الہمام نے ان کی تردید فرمائی کہ امام کے
قول سے انحراف نہ ہو گا سوا اس صورت کے کہ
اس کی دلیل کمزور ہو۔

اقول یہ ناقابل فہم اور ناقابل قبول
ہے۔ بعض مقلدین کی نظر میں دلیل کے
کمزور ہونے سے دلیل امام کافی الواقع کمزور ہونا
کیسے ظاہر ہو سکتا ہے؟ — اجتہاد مطلق
کے حامل یہ بزرگ ائمہ مالک، شافعی، احمد
اور ان کے ہم پایہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ف: معروضة على العلامة ش۔

یطبقون کثیرا علی خلاف الامام
وهو اجماع منهم علی ضعف دلیله
ثم لا یظهر بهذا الضعف ولا انت
مذهب هو کلام مذهب فکیف
بمن دونهم ممن لم یبلغ
مقتبذتهم نعم هم عاملون
فی نظرهم بقوله العام
فیمعذرون بل ما جودون
ولا یتبدل بدلك المذهب
الا شرع انت تحدید الرضا
بثلثین شهرا دلیله
ضعیف بل ساقط عند اکثر
المرجحین ولا یجوز لاحد
انت یقول الاقتصار علی
عامین مذهب الامام وتحسیر
حلیلة الایب والایب رضا
نظرفیه الامام البالغ رتبة الاجتهاد
المحقق علی الاطلاق ومراعی انت
لا دلیل علیه بل الدلیل قاض
بحدیثهما ولم یمن اجاب
عنه وقد تبعه علیه
ثم فهل یقال انت
تحلیلهما مذهب الامام

بارہ مخالفتہ امام پر متفق نظر آتے ہیں، یہ ان
حضرات کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس جگہ
دلیل امام کمزور ہے۔ پھر بھی اس سے واقعہ
اس کا کمزور ہونا ثابت نہیں ہوتا، نہ ہی یہ
ثابت ہوتا کہ ان حضرات کا جو مذہب ہے وہی
امام کا بھی مذہب ہے۔ جب ان کا یہ معاملہ
ہے تو ان کا کیا حکم ہو گا جو ان سے فروتر ہیں
جنہیں ان کے منصب تک رسائی حاصل نہیں؟
ہاں وہ اپنی نظر میں امام کے قول امام پر عمل
ہیں اس لئے معذور بلکہ ماجور اور مستحق ثواب
ہیں۔ مگر اسی وجہ سے مذہب امام بدل
نہ جائے گا۔ دیکھئے حدیث رضا مت تیس ماہ
نظر آئے، دلیل اشرار جنہیں کے نزدیک ضعیف
بلکہ ساقط ہے۔ پھر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ دو سال
پر اکتفا کرنا ہی مذہب امام ہے۔ بیوی ہی رضاعی
باپ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کے حرام ہونے کے
حکم میں رتبہ اجتہاد تک رسائی پانے والے امام
محقق علی الاطلاق کو کلام ہے۔ ان کا خیال ہے
کہ اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل یہ حکم کرتی ہے
کہ دونوں حلال ہیں۔ میں نے اس کلام کا
جواب کسی کتاب میں نہ دیکھا۔ علامہ شامی نے
بھی انہی کی پیروی کی ہے۔ پھر بھی کیا یہ کہ
جاسکتا ہے کہ ان دونوں کی سلت ہی مذہب امام

حکلا یل بحث من ابن الہمام

ہے؟ — ہرگز نہیں! بلکہ یہ صرف ابن الہمام کی ایک بحث ہے۔

ولیس قیسا ذکر عن ابن الہمام المام
الم ما ادعی من صحة جعله
مذہب الامام انما فیہ حیوانا
العدول لہم اذا استضعفوا دلیله
دایت هذا من ذالک۔

علامہ شامی نے جو دعویٰ کیا کہ صاحب نظر
جس پر عمل کر لے اُسے مذہبِ امام قرار دینا
بجا ہوگا اس کا امام ابن الہمام سے نقل کر وہ
کلام میں کوئی اشارہ بھی نہیں اس میں تو بس
اس قدر ہے کہ اہل نظر کو جب قولِ امام کی دلیل
مکمل ہو تو ان کے لئے اس سے انحراف
جائز ہے۔ کہاں یہ، اور کہاں وہ؟

نعم فی الوجہ السابقہ
تمسح النسبة الى المذہب لاحاطة
العلوم بانہ لو وقع فی زمانہ
لقال بہ کما قال فی التذویر
لمسألة نہی النساء مطلقا
عن حضور المساجد علی
المذہب وهذه تکتة غفیل
منہا المحقق ش ففسر
المذہب بمذہب المتأخرین۔

ہاں سابقہ چیز صورتوں میں مذہبِ امام
کی طرف احتساب بجا ہے اس لئے کہ وہاں اس
بات کا پورے طور سے یقین ہے کہ وہ حالت
اگر ان کے زمانے میں واقع ہوتی تو وہ بھی اسی
کے قائل ہوتے۔ جیسا کہ تنویر الابصار میں
مسجدوں کی حاضری سے عورتوں کی مطلقاً ممانعت
کے مسئلے میں "علی المذہب" (برہنا سے
مذہب) فرمایا — محقق شامی کو اس نکتے
سے غفلت ہوئی اس لئے انہوں نے مذہب
کی تفسیر میں مذہبِ متأخرین "لکھ دیا۔ — یہ
ذہن نشین رہے۔

هذا واما نحن فلم نؤمر
بالاعتبار کا ولی الاعتبار

اوپر کی گفتگو اہل نظر سے متعلق تھی، رہے
ہم لوگ تو ہمیں اہل نظر کی طرح نظر و اعتبار کا

فلا، معروضة علیہ
فلا، معروضة علیہ

بل بالسؤال والعمل بما يقوله الامام
غير باحثين عن دليل سوى
الاحكام فان كانت العدول للوجوه
السابقة اشترك فيه المخاص
والعوام اذ لا عدول حقيقة
بل عمل بقول الامام و
ان كانت لدعوى ضعف الدليل
اختص بمن يعرفه ولذا قال
في البحر قد وقع للمحقق ابن
الهمام في مواضع الرد على
المشائخ في الافتاء بقوله
بانه لا يعدل عن قوله الا
لضعف دليله ، لكن هو راعى
المحقق اهل النظر في الدليل و
من ليس باهل للنظر فيه
فعلية الافتاء بقول
الامام ^{عليه السلام}

السابعة اذا اختلفت التصحيحة
تقدم قول الامام الا قدم في
مراد المحتسب قبل ما يدخل
في البيعة تبعها اذا اختلفت

حکم نہیں بلکہ ہم اس کے مامور ہیں کہ احکام کے سوا
کسی دلیل کی جستجو اور چھان بین میں نہ جا کہ
صرف قول امام دریافت کریں اور اس پر کاربند
ہو جائیں۔ اب اگر قول امام سے عدول و
انحراف سابقہ چھ وجوہ کے تحت ہے تو اس
میں خواص و عوام سب شریک ہیں کیونکہ حقیقت
یہاں انحراف نہیں بلکہ قول امام پر عمل ہے۔
اور اگر ضعف دلیل کے دعوے کی وجہ سے انحراف
ہو تو یہ اہل معرفت سے خاص ہے۔ اسی لئے
بحر میں رقم طراز ہیں کہ: محقق ابن الہمام کے قلم سے
متعدد مقامات پر قول صاحبین پر فتویٰ دینے کی
وجہ سے مشایخ کا رد ہوا ہے وہ لکھتے ہیں کہ قول
امام سے انحراف نہ ہو گا بحجہ اس صورت کے کہ
اس کی دلیل کمزور ہو۔ لیکن وہ محقق موصوف
دلیل میں نظر کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جو اس کا
اہل نہ ہو اس پر تو یہی لازم ہے کہ قول امام پر
فتویٰ دے۔

مقدمہ ہفتم: جب تصحیح میں اختلاف ہو
تو امام اعظم کا قول مقدم ہوگا۔ رد المحتار
میں "ما يدخل في البيعة تبعاً" (بیع میں تبعاً
داخل ہونے والی چیزوں کے بیان) سے

ف: عند اختلاف التصحيحة يقدم قول الامام.

التصحيح اخذ بما هو قول الامام لانه
صاحب المذهب ^له۔

پہلے یہ تحریر ہے، جب تصحیح میں اختلاف ہو تو اسی کو
لیا جائے گا جو امام کا قول ہے اس لئے کہ
صاحب مذہب وہی ہیں ^ا۔

وقال في الدر في وقف البحر
وغیره متى كانت في المسألة
قولان مصححان جاز القضاء
والافتاء باحدهما ^ل فقال العلامة
ش لا تخير لو كانت احدهما
قول لامام والاخر قول غيره لانه
لما تعارض التصحيحان
تساقطا فرجعنا الى الاصل
وهو تقديم قول الامام بل
في شهادات الفتوى الحسبية
المقرر عندنا انه لا يفتى ولا يعمل الا
بقول الامام الاعظم ولا يعدل
عنه ^ل قولهما او قول احدهما
او غيرهما الا لفردية كمسألة
المناسعة وانت صرح المشايخ
بان الفتوى على قولهما لانه
صاحب المذهب ^ل والامام
المقدم ^ل ^ا ومثله في البحر

در مختار میں ہے کہ، البحر الرائق کتاب
الوقت وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ جب کسی مسئلہ
میں دو قول تصحیح یافتہ ہوں تو دونوں میں سے کسی
پر بھی قضاء و افتاء جائز ہے ^ا۔ اس پر علامہ شامی
نے لکھا کہ یہ تخیر اس صورت میں نہیں جب دونوں
قولوں میں ایک قول امام ہو اور دوسرا کسی اور
کا قول ہو۔ اس لئے کہ جب دونوں تصحیحوں میں
تعارض ہو تو دونوں ساقط ہو گئیں اب ہم نے
اصل کی جانب رجوع کیا، اصل یہ ہے کہ قول
امام مقدم ہو گا بلکہ فتاویٰ خیر یہ کتاب انشاداً
میں ہے کہ، ہمارے نزدیک طے شدہ امر یہ ہے
کہ فتویٰ اور عمل امام اعظم ہی کے قول پر ہو گا
اسے چھوڑ کر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک،
یا کسی اور کا قول اختیار نہ کیا جائے گا بجز صورت
ضرورت کے، جیسے مسئلہ مزارعت میں ہے۔
اگرچہ مشایخ نے تصریح فرمائی ہو کہ فتویٰ قول صاحبین
پر ہے۔ اس لئے کہ وہی صاحب مذہب
اور امام مقدم ہیں ^ا۔ اسی کے مثل بحر میں

۳۳/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	کتاب البیوع	لہ رد المختار
۳/۱	مطبع مجتبائی دہلی	رسم المفتی	لہ الدر المختار
۴۹/۱	دار احیاء التراث العربی بیروت	۔	لہ رد المختار

وفيه يحل الافتاء بقول الامام
بل يجب وامن لم يعلم من ايت
قال امام احمد۔

اذا عرفت هذا وضع لك
كلام البحر وطام حلال
ما مر به عليه وانت شئت
التفصيل المزيدي، فالتفصيل
وانت شهيد۔

قول ش رحمه الله تعالى لا يخفى عليك
ما في هذا الكلام من عدم الانتظام
اقول بل هو متسق
النظام اخذ بعضه بحجج
بعض كما ستري۔

قول العلامة الخیر قوله مضاف
لقول الامام رحمہ

اقول تعرف بالرابعة
انت قول الامام في الفتوى
الحقيقية فيختص باهل النظر
لا محمل له في غيره والا كانت
تخصيصا للفتوى العرفية مع

بھی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ، قول امام پرافت
جائز بلکہ واجب ہے اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان کی
دلیل اور ماخذ کیا ہے۔

ان مقدمات و تفصیلات سے آگاہی کے
بعد آغاز رسالہ میں نقل شدہ کلام حجر کا مطلب
روشن و واضح ہو گیا اور جو کچھ اس کی تردید میں
لکھا گیا بیکار و بے ثبات ٹھہرا۔ مزید تفصیل
کا اشتیاق ہے تو تجوش ہوش سماعت ہو۔
علامہ شامی رحمہ اللہ تھائے، اس کلام کی بے نظمی
ناظرین پر مخفی نہیں۔

اقول نہیں بلکہ پورا کلام مربوط و
مبسوط، ایک دوسرے کی گرہ تھائے ہوئے ہے
جیسا کہ ابھی بیان ہو گا۔

علامہ خیر رملی، اس کلام اور کلام امام میں
تضاد ہے۔

اقول مقدمہ چارم سے معلوم ہوا کہ
قول امام فتوای حقیقی سے متعلق ہے، تو وہ قول
صرف اہل نظر کے حق میں ہے، اس کے سوا ان
کے کلام کا اور کوئی معنی و محل نہیں ورنہ لازم آئیگا
کہ امام نے فتوای عرفی کو حرام کہا، حالانکہ وہ

ف: تطفل على العلامة الخیر الرملی وعلى ش۔

۱۔ البحر الرائق کتاب العقار فصل يجوز تعلیه من شارع
۲۔ شرح عقود و رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین
۳۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹۹/۶
۴۔ سیل اکیڈمی لاہور ۲۹/۱

حلہا بالاجماع وفي قضاء منحة
الخائف عن الفتاوى الظهيرية روى
عن ابى حنيفة رضي الله تعالى عنه
انه قال لا يعمل لاحد انت يفتي
بقولنا ما لم يعملوا انت ان قلنا
وان لم يكن اهل الاجتهاد
لا يعمل له انت يفتي الا بطريق
الحكاية رحمہ اللہ

وقول البعري الفتوى العرفية
لا يعمل له سواء لقوله اما
في ضماننا فيكتفي بالحفظ
وقوله وان لم نعلم
وقوله يجب علينا
الافتاء بقول الامام
قوله امان نحن قلنا الافتاء فاي
التضاد وليس مبرور امور
واحدا۔

قوله هو صريح في عدم جواز
الافتاء لغير اهل الاجتهاد فكيف
يستدل به على وجوبه بجہ
اقول نعم صريح في

بالاجماع جائز وطلال ہے۔ منہ الخائف
كتاب القضاء میں فتاویٰ ظہیریہ سے منقول ہے،
امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
کہ انہوں نے فرمایا کسی کے لئے ہمارے قول
پر فتویٰ دینا روا نہیں جب تک یہ نہ جان لے کہ
ہم نے کہاں سے کہا۔ اور اگر اہل اجتہاد نہ ہوتو
اس کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں مگر نقل و حکایت
کے طور پر فتویٰ دے سکتا ہے۔

اور حجر کا کلام فتوے عرفی سے متعلق ہے،
اس کے سوا اس کا کوئی اور معنی و محل نہیں، دلیل
میں ان کے یہ الفاظ دیکھیں (ا) لیکن ہمارے
نامے میں بس یہ کافی ہے کہ ہمیں امام کے اقوال
حفظ ہوں (ب) اگرچہ ہمیں دلیل معلوم نہ ہو۔
(ج) قول امام پر فتویٰ دینا ہم پر واجب ہے۔
(د) امان نحن قلنا الافتاء۔ مگر ہم فتوے
دے سکتے ہیں التماس اب بتائے جب دونوں
کلام کا مورد و محل ایک نہیں ہے تو تضاد کہاں سے ہوا؟
خیر دل و قول امام سے صراحت واضح ہے کہ اہلیت
اجتہاد کے بغیر فتویٰ دینا ناجائز ہے، پھر اس سے
وجوب افتاء پر استدلال کیجئے؟

اقول ان اس سے فتوے حقیقی کا

فت: تطفل علی الخیر وعلی ش۔

لہ منہ الخائف علی البحر الرائق کتاب القضاء فصل یوزع علیہ من شاء الخ ایچ ایم سید کبیری کراچی ۶/۲۶۹

۲۹/۱ سہیل اکیڈمی لاہور رسالہ من رسائل ابن عابدین

المطلق احق به ممن دونه
 قلم لا تجب لزوم الافتاء
 يا قول الاثمة الثلاثة بل ومن
 سويك الاربعة مرهني الله تعالى
 عنهم فان اجزتم فقيم التمهيد
 وتلك المشاجرات بل سقط المبحث
 من اساء وانهدام النزاع
 ينفع النزاع كما سيأق
 بيان ان شاء الله
 تعالى ۔

قوله فليجب علينا الافتاء
 بقول الامام ۔
 اقول لا نقدرنا لامن سواء و
 قد اعترف به السيد الناقل
 فعدة مواضع منها صدر
 مراد المحتار قبيل رسم
 المفتي انا التزامنا تقليد

اپنے سے فروتر حضرات سے زیادہ اس کا مستحق
 ہے کہ اس کی تقلید کی جائے ۔ پھر آپ
 علامہ شامی (رحمۃ اللہ علیہ) و شافعی و احمد رحمہم اللہ تعالیٰ بلکہ
 ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ دیگر ائمہ کے
 اقوال پر فتویٰ دینے کو جائز کیوں نہیں کہتے ؟
 اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو مذہب امام کی
 پابندی کس بات میں ؟ اور یہ سارے اختلافات
 کیسے ؟ بلکہ صرف اس نزاع ہی سے سارا
 نزاع ختم اور دو فوری بحث ہی سرے سے ساقط
 ہو گئی ۔ جیسا کہ اس کی وضاحت ان شاء اللہ
 تعالیٰ آگے آئے گی ۔

خیر دینی ، تو قول امام پر فتویٰ دینا ہم پر واجب
 کیسے ؟
 اقول اس لئے کہ تقلید ہم نے انہی کی کی ہے
 دوسرے کی نہیں ، اور سید ناقل (علامہ شامی)
 نے تو متعدد مقامات پر خود اس کا اعتراف
 کیا ہے ۔ ان میں دو مقام یہ ہیں ، (۱) رسم المفتی
 سے ذرا پہلے شروع رد المحتار میں لکھتے ہیں ، ہم

فلا علی الخیر و علی ش ۔

۲۔ علامہ شامی فرماتے ہیں ہم نے صرف تقلید امام اعظم اپنے اوپر لازم کی ہے نہ کسی اور کی ۔ ولہذا
 ہمارا مذہب حنفی کہا جاتا ہے ، نہ یوسفی وغیرہ امام ابو یوسف وغیرہ کی نسبت سے ۔

فان كانوا مرجحين بانكسر قليموا
مرجحين على الامام بالفتح۔

قول ش المشائخ اطلعوا على
دليل الامام وعرفوا من اين
قال

اقول من اين عرفتم هذا وباع
دليل اطلعتم عليه انما المنقول
عن الامام المسائل دون الدلائل
واجتهدوا اصحاب فاستخرجوا
لهادلائل كل حسب ميسلة
علمه ومنتهى فهمه ولم يداركوا
شادة ولا معشاة مولى وما
لم يلحقوا اخباره فان
قلتم فقولوا اطلعوا على
دليل قول الامام ولا تقولوا
عن دليل الامام ومرجهم
الله سديد ط اذ قال
في قضاء حواشي الدر قد يظهر قوة
قوله (اعى لاهل النظر

اگر وہ ترجیح دینے والے حضرات ہیں تو وہ امام پر
ترجیح یافتہ نہیں ہو سکتے۔

علامہ رشیدی، مشائخ کو "دلیل امام" سے آگاہ ہی
ہوتی اور انھیں یہ معرفت حاصل ہوتی کہ قول
امام کا ماخذ کیا ہے!

اقول یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟
اور کس دلیل سے آپ کو اس کی دریافت ہوتی؟
— امام سے تو صرف مسائل منقول ہیں لائل منقول
نہیں۔ اصحاب نے اجتہاد کر کے ان مسائل
کی دلیلوں کا استخراج کیا۔ یہ بھی ہر ایک نے
اپنے مبلغ علم اور فہم کے اعتبار سے کیا
اور کوئی بھی امام کی منزل کو نہ پاسکا بلکہ ان کے
دسویں حصے کو بھی نہ پہنچا، اور زیادہ تر تو یہ ہے
کہ یہ حضرات ان کی گرد پا کو بھی نہ پاسکے۔
اگر کہنا ہے تو یوں کہئے کہ ہاں مشائخ کو "قول امام"
کی دلیل سے آگاہ ہی ملی یہ نہ کہئے کہ "امام کی
دلیل" سے آگاہ ہوئے۔ سیدی طہطاوی پر
خدا کی رحمت ہو وہ حواشی در مختار کتاب القضاء
میں رقم طراز ہیں، قول امام کے خلاف کسی قول

ول: معروضۃ علی العلامة ش۔

فائدہ: امام سے مسائل منقول ہیں لائل مشائخ نے استنباط کر کے ہیں اُن کا ضعف اگر ثابت بھی ہو
تو قول امام کا ضعف لازم آتا اور کہنا دلیل امام کا بھی ضعف ثابت نہیں ہوتا، ممکن کہ امام نے اور دلیل سے
فرمایا ہو۔

سہ شرح عقود رحمہم الموفق رسالہ من رسائل ابن عابدین سمیل اکیڈمی لاہور ۲۹/۱

فی قول خلاف قول الامام) بحسب
ادراکہ ویکون الواقع بخلافہ
او بحسب دلیل ویکون
لمصاحب المذهب دلیل
آخر لم یطبع
علیہ ام۔

قوله ولا یظن بهم
انهم عدلوا عن قوله
لجهلهم بدلیلہ

اقول اولاً اظن به انه
لم یدرك ما ادراکوا فاعتمد
شیئاً اسقطوه لضعفه فی
للاوصاف اع الظن
ابعد۔

وثانیاً لیس فیہ انحراف بہم امت
لم یبلغوا مبلغ امامہم

میں اہل نظر کو کسی قوت نظر آتی ہے۔ یہ اس
صاحب نظر کے علم و ادراک کے لحاظ سے ہوتا ہے
اور واقع میں اس کے برخلاف ہوتا ہے، یا کسی
ایک دلیل کے لحاظ سے اسے ایسا معلوم ہوتا ہے
جبکہ صاحب مذہب کے پاس کوئی اور دلیل ہوتی
ہے جس سے یہ آگاہ نہیں۔ ا۔

علامہ رشامی حضرات مشایخ کے بارے میں یہ
گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے قول امام سے
انحراف اس لئے اختیار کیا کہ انہیں ان کی دلیل
کا علم نہ تھا۔

اقول اولاً تو کیا حضرت امام کے متعلق
ہر گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہیں وہ دلیل
درج کی جو مشایخ کو مل گئی، اس لئے انہوں نے
ایک ایسی چیز پر اعتماد کر لیا جسے مشایخ نے
ضعیف ہونے کی وجہ سے ساقط کر دیا؟ خدا را
انصاف! دونوں میں سے کون سا گمان زیادہ

بعید ہے؟
ثانیاً۔ یہ مشایخ اگر اپنے امام کے مبلغ علم کو
نہ پاسکے تو اس میں ان کی کوئی بے عزتی نہیں۔

۱۔ معروضۃ علیہ
۲۔ معروضۃ علیہ

وقد ثبت ذلك عن اعظم المجتهدين
في المذهب الامام الشافعي
فضلا عن غيره في الخيرات
الحسان الامام ابن حجر المكي
الشافعي روى الخطيب عن ابني يوسف
ما رواه ايت احدا اعلم بتفسير الحديث
ومواضع النكت التي فيه من
الفقه من ابني حنيفة
وقال ايضا ما خالفته في شئ
قط فتدبرته الاما ايت مذهبه
الذي ذهب اليه انجب في
الاخوة ، وكنت سبما ملئت الى
الحديث فكان هو البصر بالمعنى
الصحيح من ، وقال
كان اذا صمم على قول دست
على مشايخ الكوفة هل اجد
في تقوية قوله حديثا او
اشرا ، فربما وجدت الحديثين
والثلاثة فاتيته بها فمناها
ما يقول فيه هذا غير صحيح
او غير معروف فاقول

اس پايہ بلند تک نارسائی تو مجتہدین فی المذہب
میں سب سے عظیم شخصیت امام ثانی قاضی ابویوسف
سے ثابت ہے ، کسی اور کا کیا ذکر و شمار ؟
امام ابن حجر کی شافعی کی کتاب "الخيرات الحسان"
میں ہے ، (۱) خطیب امام ابویوسف سے
راوی ہیں کہ مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جو ابو حنیفہ
سے زیادہ حدیث کی تفسیر اور اس میں پائے جانے
والے فقہی نکات کی جگہوں کا علم رکھتا ہو ۔
(۲) یہ بھی فرمایا کسی بھی مسئلے میں جب میں نے
ان کی مخالفت کی پھر اس میں غور کیا تو مجھے یہی
نظر آیا کہ امام نے جو مذہب اختیار کیا وہی آخرت
میں زیادہ نجات بخش ہے ۔ بعض اوقات میرا
میں حدیث کی طاقت ہوتا تو بعید میں یہی نظر
آتا کہ امام کو حدیث کی بصیرت مجھ سے زیادہ ہے ،
(۳) یہ بھی فرمایا ، جب امام کسی قول پر نکتہ حکم
کر دیتے تو میں مشائخ کوفہ کے پاس دورہ
کرنا کہ دیکھوں ان کے قول کی تائید میں کوئی
حدیث یا کوئی اثر ملتا ہے یا نہیں ، بعض مرتبہ
دو تین حدیثیں مل جاتیں ، میں نے کہ امام کے پاس
آتا تو ان میں سے کسی حدیث کے بارے میں وہ
فرمانے کہ یہ صحیح نہیں یا غیر معروف ہے ، میں عرض

فت ، قائدہ جلیلہ ؛ اجلہ اکابر ائمہ دین معاصر ان امام اعظم وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تصریح
کہ امام ابو حنیفہ کے علم و عقل کو اور ان کا علم و عقل نہیں پہنچتا ، جس نے ان کا خلافت کیا ان کے
مدار کہ تک نارسائی سے کیا ۔

له وما عليك بذلك مع انه يوافق
قولك فيقول انا عالم بعلم اهل
الكوفة، وكان عند الاعمش فسل
عن مسائل فقال لايف حنيفة
ما تقول فيها، فاجابه قال
من اين لك هذا؟ قال
من احاديثك التي
رويتها عنك وسودله
عدة احاديث بطرقها
فقال الاعمش حسبك ما
حدثتك به في مائة
يوم تعددك به في ساعة
واحدة ما علمت انك تعمل
بهذه الاحاديث يا معشر الفقهاء
انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانتم
ايها الرجل اخذت بكلما الطرفين ثم
اقول وانما قال ما علمت الخ لانه
لم يرو في تلك الاحاديث موضوعا
لتلك الاحكام التي استنبطها
منها الامام فقال ما علمت

کرتا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا، یہ تو آپ کے قول
کے موافق بھی ہے؟ وہ فرماتے ہیں اہل کوفہ کے
علم سے اچھی طرح باخبر ہوں۔ (۳۱) امام اعمش
کے پاس حاضر تھے، حضرت اعمش سے کچھ مسائل
دریافت کئے گئے، انہوں نے امام ابو حنیفہ سے
فرمایا: تم ان مسائل میں کیا کہتے ہو، امام نے جواب
دیا۔ حضرت اعمش نے فرمایا: یہ جواب کہاں سے
اخذ کیا، عرض کیا، آپ کی انہی احادیث سے
جو آپ سے میں نے روایت کیں۔ اور متعدد
حدیثیں مع سندوں کے پیش کر دیں۔ اس پر
حضرت اعمش نے فرمایا: کافی ہے، میں نے سو
دنوں میں تم سے جو حدیثیں بیان کیں وہ تم ایک ساعت
میں مجھے سنانے دے رہے ہو، مجھے علم نہ تھا
کہ ان احادیث پر تمہارا عمل بھی ہے۔ اے فقہاء!
تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں۔ اور اے مرد کہاں؟
تم نے تو دونوں کنارے لئے۔ ۱۰۔

اقول مجھے معلوم نہ تھا کہ ان احادیث
پر تمہارا عمل بھی ہے، امام اعمش نے یہ اس
لئے فرمایا کہ احادیث میں انہیں امام کے استنباط کردہ
احکام کی کوئی جگہ نظر نہ آئی تو فرمایا کہ مجھے علم نہ تھا

ف: استاد الحدیث امام اعمش شاگرد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و استاذ امام اعظم نے امام سے
کہا: اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار، اور اے ابو حنیفہ! تم نے دونوں کنارے لئے۔

انك تَأْخُذُ هَذِهِ مِنْ هَذِهِ
 وَقَدْ قَالَ الْأَمَامُ الْأَجَلُ سَفِينِ
 الشُّوْرِكُ لَا مَا مَنَّا رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
 عَنْهُمَا أَنَّهُ لِيَكْشِفَ لَكَ مِنْ الْعِلْمِ
 عَنْ شَيْءٍ كَلْنَا عَنْهُ غَافِلُونَ، وَقَالَ
 أَيضًا مَنْ الذِّكْرُ يَخَالِفُ أَبَا حَنِيفَةَ
 يَحْتَاجُ الْحَقَّ أَنْ يَكُونَ أَعْلَى
 مِنْهُ قَبْلَ مَا وَافَقَ عُلَمَاءُ لَعِيْدٍ
 مَا يُوْجِدُ ذَلِكَ، وَقَالَ لَهُ ابْنُ شَبْرَةَ
 بَحَرَتِ النِّسَاءُ أَنْ يَلِدَنَّ مِثْلَكَ مَا عَلَيْكَ
 فِي الْعِلْمِ كَلَفَةٌ، وَقَالَ أَبُو سَلِيْمٍ مَنْ كَانَ
 أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ مَحْبِبًا مِنْ
 الْحَبِيبِ وَأَتَمَّ يَوْغِبُ مِنْ كَلَامِهِ مَنْ لَمْ
 يَقْوَعِ عَلَيْهِ، وَعَنْ عَلِيٍّ بْنِ عَاصِمٍ
 قَالَ: إِمَامُ أَهْلِ سَفِينِ ثَوْرِي نَعَى هَارَ إِمَامٍ سَعَى كَمَا أَتَى كَوْدَهُ عِلْمٌ كَلَفَتْهُ جَسَدٌ سَبَّ غَافِلٌ
 هُوَتَ هِيْ وَأَوْرَ فَرَمَا يَا أَبُو حَنِيفَةَ كَا خِلَافَ كَرَسَتْ وَآلَا اسْ كَا مَحْتَاجُ سَهْ كَهْ أُنْ سَعَى مَرْتَبَةٍ هِيْ بَرَّادُورْ عِلْمِ هِيْ
 نِيَادَهْ هِيْ وَأَوْرَ اِيَسَا هُونَا دَوْرَ هِيْ -

فصل امام شافعی نے فرمایا: تمام جہان میں کسی کی عقل ابو حنیفہ کے مثل نہیں۔ امام علی بن عاصم نے کہا: اگر ابو حنیفہ کی عقل تمام رشتے زمین کے نصف آدمیوں کی عقلوں سے تولی جائے ابو حنیفہ کی عقل غالب آئے۔ امام بکر بن حبیش نے کہا: اگر ان کے تمام اہل زمانہ کی مجموعہ عقلوں کے ساتھ وزن کریں تو ایک ابو حنیفہ کی عقل ان تمام ائمہ و اکابر و مجتہدین و محدثین و عارفین سب کی عقل پر غالب آئے۔

۱۱۴	ص	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	الفصل الثانی	سہ الخیرات الحسنی
۷۶	”	”	الفصل الثالث	”
۱۰۹	”	”	”	”
۸۲	”	”	”	”

قال لودزن عقل ابی حنیفة بعقل
نصبت اهل الارض لرجب برہم،
وقال الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
ما قامت النساء عن رجل اعقل
من ابی حنیفة، وقال
بکر بن حبیش لوجمع عقلہ
وعقل اهل منہ لرجب
عقلہ علی عقولہم، انکل من
الخبیرات الحسان، وعن
محمد بن مراحم عن یحیی
بن آدم قال ما کان شریک
وداؤد الا صغر علمات
ابی حنیفة ولیتہم کانوا
یفقہون ما یقول، وعن سہل
بن مزاحم وکان من ائمة مرو
انما خالفہ من خالفہ لانہ
لم یفہم قولہ، هذا عن
مناقب الامام الکروبی، ولف
میزان الشریعة الکبری لیدی العارف

فرمایا، اگر نصبت اہل زمین کی عقلوں کے مقابل میں
امام ابو حنیفہ کی عقل قول جائے تو یہ ان سب پر
بجاری پڑ جائے۔ (۱۰) امام شافعی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ابو حنیفہ سے زیادہ صاحب
عقل عورتوں کی گود میں نہ آیا یعنی جہان میں
کسی کی عقل ان کے مثل نہیں (۱۱) بکر بن حبیش
نے کہا، اگر ابو حنیفہ کی عقل اور ان کے زمانے
والوں کی عقل جمع کی جائے تو ان سب کی عقلوں
کے مجموعہ پر ان کی عقل غالب آجائے۔
یہ سبھی اقوال الخیرات الحسان سے نقل ہوئے۔
(۱۲) محمد بن مراحم راوی ہیں کہ یحییٰ بن آدم فرماتے
ہیں، شریک اور داؤد حضرت ابو حنیفہ کی ہار گاہ
کے سب سے کم عقل مکتب ہی تو تھے، کاش
لوگ ان کے اقوال کو سمجھ پاتے۔ (۱۳) فرو کے
امام بزرگ سہل بن مزاحم فرماتے ہیں، جس نے
بھی ان کی مخالفت کی، اس کا سبب یہی ہے
کہ ان کے اقوال کو سمجھ نہ سکا۔ یہ دونوں قولی
مناقب امام کوردی سے منقول ہیں (۱۴) سیدی
عارف باللہ امام شعرائی کی میزان الشریعة الکبری

۱۰۲	ص	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	الفصل العشرون	الخیرات الحسان
۱۰۳	"	"	"	"
"	"	"	"	"
۹۸	۱	مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ	مقولہ الامام جعفر الصادق	مناقب الامام الاعظم مکروری
۱۰۸	۱	"	"	"

قوله عن العلامة قاسم كما لو
افتوا في حياتهم.

اقول اولاً ^۱ راجعاً الى الله ارايت ان
كان امام حيا في الدنيا وهو لا
احياء واقف وافتوايا كنت
تقليد.

وثانياً ^۲ انما كلام العلامة فيما فيه
الرجوع الى فتوى المشايخ حيث لا رواية
عن الامام او اختلف الرواية عنه
او وجد ثبوت من الحوامل
الست المذكورة في الخامسة
فانه عين تقليد
الامام ^۳ قبل.

وانات عليه ببينة عادلة
منكم ومن نفس العلامة قاسم
فهر عدم برادة قلم في شرح عقود كما
قال العلامة المحقق الشيخ قاسم في
تصحيحه ان المجتهدين لو يفتقدوا حجة

علامہ شامی، بقول علامہ قاسم جیسے ان حضرات کے
اپنی حیات میں فتویٰ دینے کی صورت میں ہوتا۔

اقول، اولاً خدا آپ پر رحم فرمائے، بتائیے
اگر امام دنیا میں با حیات ہوتے اور یہ حضرات بھی
با حیات ہوتے۔ پھر امام بھی فتویٰ دیتے اور یہ بھی
فتویٰ دیتے تو آپ کس کی تقلید کرتے؟

ثانیاً علامہ قاسم کا کلام صرف ان مسائل سے
متعلق ہے جن میں فتوایں مشایخ کی جانب ہی رجوع
کرنا ہے اس لئے کہ ان مسائل میں امام سے کوئی
روایت ہی نہیں۔ یا امام سے روایت مختلف
آئی ہے۔ یا ان چھ اسباب میں سے کوئی سبب
موجود ہے جن کا ذکر مقدمہ پنجم میں گزرا کہ یہ تو خود
امام ہی کی تقلید ہے۔

میں اس پر آپ ہی کی اور خود علامہ قاسم کی
شہادت عادلہ پیش کرتا ہوں انھیں اپنی مراد کا
زیادہ علم ہے۔ شرح عقود میں آپ قم طرازی کے
علامہ محقق شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا ہے،
مجتہدین ہمیشہ ہوتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے

فک، معروضہ علیہ

فک، معروضہ علیہ

فک، معروضہ علیہ

فک، معنی کلام العلامة قاسم علینا اتباع ما راجحہ۔

نظروا فی المختلف ورجحوا وصححوا
فتہدات مصنفاتہم بترجیح قول
ابی حنیفۃ والاخذ بقولہ الا فی
مسائل یمیزۃ الاختار والفتویٰ فیہا
علی قولہما او قول احدہما وان
کانت الاخر مع الامام کما اختاروا
قول احدہما فیما لانصب فیہ
لالامام للمعانۃ التی اشار الیہا
القاضی بل اختاروا قول
نہ فرفق مقابلاً قول
الکمل لنحو ذلک وترجیحاً لہم
وتصحیحاً لہم باقیۃ
فعلینا اتباع المراجع و
العمل بہ کما لو افتوا فی
حیاتہم۔

وکلام الامام القاضی سیاقی
عند مسود النقول بتوفیق
اللہ تعالیٰ صرح فیہ ان العمل بقولہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ وان خالفہ
الاتعاضل بخلافہ او تغیر
الحکم بتغیر الزمان

مقام اختلاف میں نظر کر کے ترجیح و تصحیح کا کام سرانجام
دیا۔ ان کی تصنیفات شاہد ہیں کہ ترجیح امام ابو حنیفہ
ہی کے قول کو حاصل ہے اور ان ہی کا قول
ہر جگہ لیا گیا ہے مگر صرف چند مسائل ہیں جن میں
ان حضرات نے صاحبین کے قول پر یا صاحبین
میں سے کسی ایک کے قول پر۔ اگرچہ دوسرے
صاحب امام کے ساتھ ہوں فتویٰ اختیار کیا ہے۔
جیسے انہوں نے صاحبین میں سے کسی ایک کا قول
اس مسئلے میں اختیار کیا ہے جس میں امام سے کوئی
صرحت وارد نہیں۔ اس اختیار کے اسباب وہی
ہیں جن کی جانب قاضی نے اشارہ کیا، بلکہ کسی ایسی
ہی وجہ کے تحت انہوں نے سب کے قول کے
مقابلے میں امام کے قول اختیار کیا ہے۔ ان حضرات
کی ترجیحیں اور تصحیحات بھی باقی ہیں تو ہمارے فہم
یہی ہے کہ رائج کی پیروی کریں اور اسی پر کاربند ہوں
جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں ہیں فتوے
دینے کی صورت میں ہونا۔

امام قاضی کا کلام حبلہ ہی بیان نقول کے
مسئلے میں توفیقہ تعالیٰ آ رہا ہے۔ اس میں یہ
تصریح ہے کہ عمل قول امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر
ہوگا اگرچہ صاحبین ان کے خلاف ہوں۔ مگر
اس صورت میں جب کہ تعامل اس کے برخلاف
ہو یا تغیر زمان کی وجہ سے حکم بدل گیا ہو۔

فقیہین و لله الحمد امت قول
العلامة قاسم عليتنا
اتباع ما سر جھوہ انما هو فيما
لائق فيه للامام ويلحق
به ما اختلفت فيه الرواية
عنه اوقف احمدى الحوامل
الست فاحفظه حفظا جيدا
ففيه اسر تفاع العجب
عن اخرها و لله الحمد حمدا
كثيرا طيبا مباركا فيه
ابدا۔

وهذه عبارة العلامة قاسم
التم اور مدھا السید ہفتا ملتقط
من اولها و آخرها لتأملها تماما
لما كان ليخفي عليه الامر وكثيرا ما
تحدث امثال الامور لاجل الاقتصاد
وبالله العصمة۔

والتشا على فرض الغلط لو اس اد
العلامة قاسم ما تريدون و
لكان محجوبا بقول شيخه المحقق
حيث اطلت الذعب فقلتموه و
قبلتموه من سراد صراسا على

توبخہ تعالے پر روشن ہو گیا کہ علامہ قاسم کا ارشاد
(ہمارے ذمہ اس کی پیروی ہے جسے ان حضرات
نے رائج قرار دے دیا) صرف اس صورت سے
متعلق ہے جس میں ائمہ سے کوئی صراحت وارد
نہ ہو۔ اور اسی سے ملحق وہ صورت بھی ہے
جس میں ائمہ سے روایت مختلف آئی ہو۔

یا ان چھ اسباب میں سے کوئی ایک موجود ہو۔
اسے خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے اس
لئے کہ اس سے سارے پردے بالکل اٹھ جاتے
ہیں۔ اور خدا ہی کے لئے حمد ہے کثیر، پاکیزہ،
بارکت، دائمی حمد۔

علامہ قاسم کی جہارت جو علامہ شامی نے
اس مقام پر ادا کر کے التفاد کے نقل کی ہے
اگر ان کی کامل جہارت پر غور کر لیتے تو حقیقت امر
ان پر پوشیدہ نہ رہ جاتی۔ بار بار اس طرح
کا خلل نقص اقتصاد کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے،
وبالله النصرة۔ اور محفوظ رکھنا عندا ہی
سے ہے۔

ثالثا بغرض غلط اگر علامہ قاسم کا مقصود
وہی ہوتا جو آپ مراد لے رہے ہیں تو یہ ان کے
استناد محقق علی الاطلاق کے اس ارشاد کے
مقابلہ میں مرجوح ہوتا جسے آپ نے بھی نقل کیا
اور قبول کیا کہ انھوں نے قول صاحبین پر افا کے

المشائخ افتاءهم بقولهما قائلًا
انه لا يعبد عن قوله الا
لضعف دليله۔

قوله عن العلامة ابن الشلبی
الاذا صرح احد من المشائخ
بان الفتوى على قول
غيره ^{لہ}۔

اقول اولاً ساؤہم موافقون
لهذا المفتی او مخالفون له
اوساكتون فلم يرجعوا شیئاً
حق في التعلیل والجدل و
لا یوضعه متن او الاقتصار
او التقديس او غیر ذلك
من وجوه الاختیار۔

الثالث لم یقم والثانی ظاہر
المنع وکیف یعدل عن قول
الامام المرجح من عامة
اصحاب الترجیح بفتوی رجل
واحد قال في الدر
في تنجس البئر قال
من وقت العلم فلا یلزمهم

باعث بار یا مشایخ کارو کیا ہے اور فرمایا ہے کہ،
قول امام سے عدول نہ ہوگا سو اس صورت کے
کہ اس کی دلیل کمزور ہو۔

علامہ شامی، علامہ ابن شلبی سے نقل کرتے ہوئے،
مگر اس صورت میں جب کہ مشایخ میں سے کسی
نے یہ مراعت کر دی ہو کہ فتویٰ امام کے سوا کسی اور
کے قول پر ہے۔

اقول، اولاً (۱) دیگر مشایخ اس مفتی کے
موافق ہیں (۲) یا اس کے مخالف ہیں۔
(۳) یا ساکت ہیں کہ انہوں نے کسی قول کو ترجیح
نہ دی۔ یہاں تک کہ کسی قول کی نہ علت پیش
کی، نہ اس پر بحث کی، نہ اسے اپنی تصنیف
میں منسب کیا، نہ کسی ایک پر اقتصار کیا، نہ وجہ
اختیار و ترجیح میں سے کوئی اور صورت اپنائی۔
یہ تیسری صورت (سکوت) واقع ہی نہیں۔

اور دوسری صورت میں کلام ابن شلبی پر منع ظاہر
ہے۔ (یہ وہ صورت ہے کہ ایک شخص نے قول
امام کے بجائے قول دیگر پر فتویٰ دیا باقی تمام حضرات
قول امام ہی پر فتوے دیتے ہیں اور اس مفتی
کے مخالف ہیں) تمام اصحاب ترجیح کی جانب سے
ترجیح یافتہ قول امام سے محض ایک شخص کے

فنا معروضة على العلامة ش۔

شم قبلہ قبیل و بہ
یفتی ۱۔

فتویٰ کے باعث انحراف کیوں ہو گا، —
در مختار کے اندر گناہ ناپاک ہونے کے مسئلے میں
ہے، صاحبین فرماتے ہیں جب سے علم ہوا اس
وقت سے ناپاک مانا جائے گا تو اس سے قبل
لوگوں پر کچھ لازم نہ ہو گا۔ کہا گیا، اسی پر
فتویٰ ہے۔ ۱۔

علامہ شامی فرماتے ہیں، اس کے قائل
صاحب جوہرہ ہیں۔ فتاویٰ سبائی میں ہے
قول صاحبین ہی مختار ہے۔ ۱۔

طحاوی فرماتے ہیں، قبیل (کہا گیا)
سے تعبیر اس لئے فرمائی کہ علامہ قاسم نے
اس کی تردید کی ہے کیونکہ یہ عام کتب کے خلاف
ہے کثیر کتبوں میں دلیل امام کو ترجیح دی گئی
ہے۔ وہی احوط بھی ہے۔ نہر۔ ۱۔

بلکہ در مختار میں ہے، امام کے نزدیک
مشبہ عقد کی وجہ سے حد نہیں جیسے اس محرم
سے دہلی کی صورت میں جس سے نکاح کر لیا ہو
صاحبین فرماتے ہیں، اگر حرمت سے آگاہ ہے

قال ش قائله صاحب الجوهرة
دف فتاوى العتاف قولهما
هو المختار ۱۔

قال ط وانما عبر بقيل لمد
العلامة قاسم له لمخالفته لعمامة
الكتب فقد راجع دليله فـ
كثير منها وهو الاحوط
نهتر ۱۔

بل قال في الدر لاحد
بشبهة العقد عند الامام كوطء
محرم نكحها وقال ان علم
الحرمة حد و عليه الفتوى

اقول میں نے جوہرہ میں اسے دیکھا، شاید
یران کی سراج و باج میں ہو ۲، منہ (ت)

عہ اقول لہ اسے فیہا لعلہ فی سراجہ
الوہاج، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ۔

۴۰/۱	مطبع مجتبائی دہلی	فصل فی البیہ	کتاب الطہارۃ	لہ الدر المختار
۱۴۶/۱	دار احیاء التراث العربی بیروت	"	"	لہ رد المختار
۱۱۹/۱	المکتبۃ العربیہ کوئٹہ	"	"	لہ حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار

الامام قولاً وخالفه احد صاحبیه
ولارواية عن الآخر خافتي احد من
المشائخ بقول الصاحب قامت
وافقه الباقون فقد مراد خالفوه
فظاهر — وكذا انت خالف
بعضهم ووافقت بعضهم
لما مر في السابعة .

امانت لم يرد عن الباقين
شيء وهم الصورة التي انكرنا
وقومها فهل يجب اتباع
تلك الفتوى ام لا على الثاني انت
قولكم علينا اتباع ما صححه كما
لو اختلفوا في حياتهم فان فتوى
الحياة واجبة العمل على المستفتي و
انت كانت الفتوى واحدا
لم يخالفه غيره و
ليس له التوقف عن قبولها
حتى يجتمعوا او يكثروا .

وعلى الاول لم يجب
العدول عن قول الامام الى
قول صاحبه الا لتخرج من أي
صاحبه بانضمام من أعاد

بات کسی اور صاحبین میں سے ایک نے ان کی
منفعت کی، دوسرے سے کوئی روایت نہ آئی۔
اب مشایخ میں سے کسی نے اُس ایک صاحب کے
قول پر فتویٰ دیا، تو اگر باقی مشایخ نے بھی موافقت
فرمائی تو اس کا بیان گزرا۔ یادِ مگر حضرات نے
مخالفت فرمائی تو اس کا حال ظاہر ہے —
یوں ہی اگر بعض نے مخالفت کی اور بعض نے
موافقت کی، وجہ مقدمہ سابقہ میں بیان ہوئی۔

لیکن اگر باقی حضرات سے کچھ وارد ہی نہ ہوا
بھی وہ صورت ہے جس کے وقوع سے ہم نے
انکار کیا۔ تو اس وقت اس فتوے کا اتباع
واجب ہے یا نہیں؟ — بر تقدیر ثانی آپ کا
وہ قول کہ سنا گیا کہ ہمارے ذکر اسی کی پیروی ہے
جسے مشائخ نے صحیح قرار دے دیا جیسے اس صورت
میں ہوتا جب وہ ہمیں اپنی حیات میں فتویٰ دیتے۔
اس لئے کہ زندگی کا فتویٰ مستفتی پر واجب العمل
ہے اگرچہ معنی ایک ہی ہو، جس کا دوسرا کوئی مخالف
نہ ہو۔ اور مستفتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس فتوے
کو قبول کرنے سے توقف کرے یہاں تک کہ
سب فتویٰ دینے والے مجتمع ہو جائیں یا کثیر
ہو جائیں تب مانے۔

بر تقدیر اول (یعنی قولِ امام کو چھوڑ کر دیگر
کو ترجیح دینے والے فتوے کی اتباع واجب
ہے) قولِ امام چھوڑ کر ان کے شاگرد کے
قول کو لینا کیوں واجب ہوا، صرف اس لئے کہ

هذا المقتضى اليه اذ ليس هذا الافتاء
 قضاء يرفع الخلاف بل ولا افتاء
 مفت لمن اتاه من مستفت
 انما حاصله امت الرأى الفلاق
 امرجه عندى فاذا من ترجح رأى
 احد الصحابة باقتضام
 رأيك الاقر اعلى واعظم
 لان حكلا منهما اعلم واقدام
 من جميع من حياء
 بعد هما من الصحابة
 فكل ما خالف فيه الامام
 صاحباه وجب فيه
 ترك قوله الحق قولهما وهو
 خلاف الاجماع

والشاعر التسلیم معكم این الشبی
 وانظر وامن معنا اخر الكلام
 قوله فليس للقاضى امت يحكم
 بقول غير ابى حنیفة فی مسألة
 لم يرجح فیها قول غیره ورجحوا
 فیها دلیل ابی حنیفة علی دلیلہ

اسی کے شاگرد کی رائے اس مفتی کی رائے سے مل کر
 رائج ہو گئی۔ کیونکہ یہ فتویٰ کوئی اختلاف ختم کرنے والا
 فیصلہ قاضی نہیں، بلکہ اس کی حیثیت اس افتا کی
 بھی نہیں جو اگر سوال کرنے والے کسی مفتی کے لئے
 کسی مفتی سے صادر ہوا۔ اس فتوے کا حاصل
 صرف اس قدر ہے کہ فلاں رائے میرے نزدیک
 زیادہ رائج ہے۔ جب ایسا ہے تو اگر صاحبین میں سے
 ایک صاحب کی رائے کے ساتھ دوسرے صاحب
 کی رائے بھی مل جائے تو اس کا رائج ہونا (کسی
 بعد کے مفتی کی رائے کے خلاف والی صورت کی پستی)
 زیادہ بالاتر اور عظیم تر ہو گا۔ اس لئے کہ صاحبین
 میں سے ہر ایک اپنے بعد آسنے والے تمام مرجحین سے
 ریان علم والے اور زیادہ مقدم ہیں۔ تو یہ کہنے کہ
 جہاں بھی صاحبین نے امام کی مخالفت کی ہو وہاں
 امام کا قول چھوڑ کر صاحبین کا قول لینا واجب ہے،
 یہ خلاف اجماع ہے (کوئی اس کا قائل نہیں)۔

ثالثاً بر تقدیر تسلیم آپ کے ساتھ صرف ابی شیبہ
 ہیں اور آخر کلام میں دیکھتے ہمارے ساتھ کون لوگ ہیں۔
 علامہ شامی، قاضی کو غیر امام کے قول پر کسی ایسے
 مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں جس میں غیر امام
 کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور خود امام ابو حنیفہ
 کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر ترجیح ہو۔

فمنه ووضه عليه

اقول هذا تعد فوق ما مر
فان معادة انت مالہ يرجع فيه
دليل الامام طلقا ض و مثله
المعق العدول عنه الف قول
غيرة وانت لم يذيل ايضا
بترجيح فانه بتب الحكم بعدم
العدول على وجود وعدم وجود
توجيه دليله وعدم توجيه
قول غيرة فمالہ يجتمعا حل
العدول ولم يقل باطلاقة الثقات
العدول فانه يشمل ما اذا
مرجعا او لم يرجع شئت
منهما والعمل فيهما بقول
الامام لا شك مر الاول
في السابعة و قال
سيداع ط ف زكاة
الغنم مسألة صرف
الهالك الى العفو
من المعلوم انه عند عدم
التصحیح لا يعدل عن قول
صاحب المذهب اه .

اقول پہلے جو گزر چکا یہاں اس سے بھی آگے
تجاویز کیا۔ کیوں کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ جہاں
دلیل امام کو ترجیح نہ دی گئی وہاں قاضی اور اسی طرح
مضی کو قول امام سے دوسرے کی قول کی طرف
عدول جائز ہے اگرچہ اس دوسرے پر بھی ترجیح کا
نشان نہ ہو۔ یہ مفاد اس طرح ہوا کہ انہوں
نے عدم عدول کے حکم کی بنیاد ایک وجود اور ایک
عدم پر رکھی ہے (۱) دلیل امام کی ترجیح کا وجود ہو
(۲) اور قول غیر کی ترجیح کا عدم ہو۔ تو جب تک
دونوں چیزیں جمع نہ ہوں عدول جائز ہوگا۔
حالانکہ ثقات عدول (معتد و مستند حضرات)
اس اطلاق کے قائل نہیں۔ کیوں کہ یہ ان دو
صورتوں کو ہی شامل ہے (۱) قول امام اور
قول غیر دونوں کو ترجیح ملی ہو (۲) دونوں میں سے
کسی کو ترجیح نہ دی گئی ہو۔ بلاشبہ ان
دونوں صورتوں میں قول امام پر ہی عمل ہوگا۔ ول
کا بیان مقدمہ ہفتم میں گزرا۔ دوم سے متعلق ملاحظہ
ہو۔ سیدی طحاوی باب زکاة الغنم میں مسأله
صرف الهالك الى العفو کے تحت رقم طراز ہیں
معلوم ہے کہ عدم تصحیح کی صورت میں صاحب مذہب
کے قول سے عدول نہ ہوگا۔

ف۱: معروضہ علیہ و علی العلامة ابن الشلی۔

ف۲: فائدا: حیث لا تصحیح لا يعدل عن قول الامام۔

لہ حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار کتاب الزکوة باب زکوة الغنم المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۴۰۶

اقول اولاً هو اعلم منهم ومن
اعلم من اعلم من اعلم منهم
فای الفرقین احق بالاتباع.

وثانیاً النظر الثانیة الدلیل
فی حقهم التفصیل وقد فقد وہ
وفی حقنا الاجمالی وقد وجدناہ
فکیف نبعہم ونعدل من الدلیل
الی فقدہ.

قولہ کیف یقال یجب علینا
الالتزام بقول الاماء لفقد الشرط
وقد اقرانہ قد فقد الشرط ایضا
فی حق المشائخ.

اقول شبہة کتفہا ف
الثالثة.

قولہ فہل تراہم امر تکبوا
منکر الیہ

اقول مبنی علی الذہول عن
فرق الموجب فی حقنا وحقہم

اقول اولاً امام کو ان سے بھی زیادہ علم ہے۔
اور ان سے اعلم سے اعلم سے اعلم سے بھی زیادہ۔
تو زیادہ قابل اعتماد کون ہے؟

ثانیاً مقدمہ دوم ملاحظہ ہو۔ ان کے حق میں
دلیل تفصیلی ہے جو انھیں نہ ملے۔ اور ہمارے حق
میں اجمال ہے جو ہمارے پاس موجود ہے تو
کیسے ہم ان کی پیروی کریں اور دلیل چھوڑ کر فقہی
دلیل کی طرف جاتے ہیں؟

علامہ شامی، یہ بات کیسے کہی جاتی ہے کہ ہمارے
اوپر قول امام پر ہی فتویٰ دینا واجب ہے اس کے
کہ ہمارے حق میں (قول امام پر افتاء کی) شرط
مفقود ہے۔ حالانکہ یہ بھی اقرار ہے کہ وہ
شرائط عامہ کے حق میں بھی مفقود ہے۔

اقول یہ محض ایک شبہہ ہے جسے ہم مقدمہ سوم
میں منکشف کر آئے ہیں۔

علامہ شامی، تو کیا یہ خیال ہے کہ ان حضرات نے
کسی ناروا امر کا ارتکاب کیا؟

اقول واجب کرنے والے چیز ہمارے حق میں
اور ہے ان کے حق میں اور، اعتراض مذکور اسی

۱۔ معروضہ علیہ

۲۔ معروضہ علیہ

۳۔ معروضہ علیہ

۴۔ معروضہ علیہ

وان شئت الجمع مكان الفرق
فالجامع امت كل من فارق الدليل
فقد اتى منكرا فدلينا قول امامنا
وخلافنا له منكر و دليلهم ما عمن
لهم في المسألة فمصيروهم اليه
لا ينكر.

قول: وقد مشى عليه الشيخ علاء الدين
اقول انما مشى في صدر الكتاب
وفي كتاب القضاء معا على ان الفتوى
على قول الامام مطلقا كما سيأتى و
قوله اما نحن فعلمنا اتباع
ما راجحوه فما خوذ من التصحيح
كما اخذتوه في رد المحتار و
قد كانت صدر كلام الدر هذا
وحاصل ما ذكره الشيخ قاسم
في تصحيحه الز و قد علمت
ما هو مراد التصحيح الصحيح
والحمد لله على حسن
التنقيح.

فرق سے ذہول پر مبنی ہے۔ اگر مقام فہرستی کو
جمع کرنا چاہیں تو جامع یہ ہے کہ جو بھی دلیل سے
اٹک جڑا وہ منکر و نادر و اکثر تکب ہوا۔ اب
ہماری دلیل ہمارے امام کا قول ہے اور ہمارے
لئے اس کی مخالفت نادر و نادر ہے۔ اور ان حضرات
کی دلیل وہ ہے جو کسی مسئلہ میں ان پر شکست ہو
تو اس دلیل کی طرف ان کا رجوع نادر و نادر نہیں۔

علامہ شامی: اسی پر شیخ علاء الدین گام زن ہیں
اقول در مختار کے شروع میں اور کتاب القضاء
میں دونوں جگہ وہ اسی پر گام زن ہیں کہ فتوے
مطلقا قول امام پر ہے۔ جیسا کہ آگے ان کا کلام
آ رہا ہے۔ رہی ان کی یہ عبارت: "اذا نحن
على ما ابيح ما راجحوه"۔ ہمیں تو اس کی
پیروی کرنی ہے بھان حضرات نے راجح
قرار دیا۔ تو یہ تصحیح علامہ قاسم سے مانوس ہے
جیسا کہ رد المحتار میں آپ نے افادہ فرمایا۔
خود در مختار ابتداء کے کلام اس طرح ہے: اور
اس کا حاصل جو شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں بیان
کیا الز۔ عبارت تصحیح کا طبع مطلب کیا ہے یہ
پہلے معلوم ہو چکا۔ اس خبری تنقیح پر ساری حد
خدا ہی کے لئے ہے۔

ف: معروضہ علیہ

المنية الناقية على الجواز الرافق كتاب القضاء
معه رد المحتار خطبة القاب
معه الدر المختار
تصل بحوزة تقليد من شاء ان يراجح سعيه في كراچی ۱۶۹
دار احياء التراث العربی بیروت
مطبع مجتہدانی دہلی
۱۵/۱

(تینا علی ما وعدنا من سرد النقول
علی ما قصدنا۔

اقول وبالله التوفیق، ما هو المقرر
عند ناقد ظہر من مباحثنا وتفصیلہ
ان المسألة اما ان یحدث
فیہا شئ من الحوامل
الست أولا۔

علی الاول المحکم للحاصل
وهو قول الامام الضروری
المعتمد علی الاطلاق سواء كانت
قوله الضروری بل وقول اصحابه
وترجیحات المرجحین موافقاً له
اولاً علماً من ان لو حدث هذا
فی زمانهم لم حکوا به فقول الامام
الضروری شئ لا نظیر معه فی روایة
ولا ترجیح بل هو القول الضروری
للمرجحین ایضاً ولا یتقید ذلك
بزمان ووقت زمان قال
ف شرح الحقوق فانت قلت
العرف یتغیر مرة بعد
مرة فلو حدث عرف
آخر لم یقع فی الزمان
السابق فهل یسوغ للمنفق مخالفة المنصوص

اب ہم اپنے مقصود و موطور، ذکر نقول و منصوص پر
گتے ہیں۔

اقول وبالله التوفیق، ہمارے نزدیک
جو مقرر اور طے شدہ ہے وہ ہماری بحثوں سے
ظاہر ہو گیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسئلہ
میں ان چار اسباب تغیر سے کوئی رونما ہے
یا نہیں۔

اور بر تقدیر اول حکم اس سبب کے تحت
ہو گا۔ اور یہ آتام کا قول ضروری ہو گا جس پر مطلقاً
اعتماد ہے۔ خواہ ان کا قول ضروری۔ بلکہ ان کے
اصحاب کا قول اور مرجحین کی ترجیحات بھی۔
اس کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ ہمیں یہ
معلوم ہے، اگر یہ سبب ان حضرات کے زمانے
میں رونما ہوتا تو وہ بھی اسی پر حکم دیتے۔ آتام
کا قول ضروری ایسا امر ہے جس کے ہوتے ہوئے
نہ روایت پر نظر ہوگی نہ ترجیح پر۔ بلکہ وہی
مرجحین کا بھی قول ضروری ہے اس میں کسی زلزلہ
کی پابندی بھی نہیں، ذکر فلاں ثلثہ میں سبب نہ
ہو تو قولی ضروری ہو گا اور فلاں زمانے میں ہو گا
علامہ شامی کی شرح حقوق میں ہے، اگر یہ سوال
ہو کہ عرف بار بار بدلتا رہتا ہے۔ اگر کوئی ایسا
عرف پیدا ہو جو زمانہ سابق میں نہ تھا تو کیا منفی
کے لئے یہ روا ہے کہ منصوص کی مخالفت کرے

و اتباع المعروف المحادث قلت نعم
 فان المتأخرين الذين خالفوا
 النصوص في المسائل العاصرة لم يخالفوا
 الا لحدوث عرف بعد من الامام
 فلم يفتي اتباع عرفه المحادث في
 اللفاظ العرفية وكذا في الاحكام
 التي بناها المجتهد على
 ما كانت في عرف زمانه و
 تغير عرفه الى عرف اخواتنا بهم لكن
 بعد ان يكون المفتي ممن له رأي و
 نظر صحيح و معرفة بقواعد الشرع
 حتى يميز بين العرف الذي يجوز
 بناء الاحكام عليه وبين سيرة

قال وكتبت في رد المحتار في
 باب القسامة فيما لو ادعى الولي على
 من اجل من غير اهل المحلة و
 شهد اثنان منهم عليه لم تقبل
 عنده و قال لا تقبل الخ و نقل
 السيد الحموي عن العلامة
 المقدس انه قال توقفت
 عن الفتوى بقول الامام
 و معت من اشاعته
 لما يترتب عليه من الضور
 العام فان من عرفه
 من المتمردين يتجاسر على قتل

اور عرف جديد کا اتباع کرے، میں جواب
 دوں گا کہ ہاں۔ اس لئے کہ گزشتہ مسائل میں
 جن متاخرین نے معصوم کی مخالفت کی ہے ان کا
 مخالفت کی وجہ یہی ہے کہ زمانہ امام کے بعد کوئی
 اور عرف رونما ہو گیا۔ تو ان کی اقتدار میں مفتی کا
 بھی یہ حق ہے کہ عرفی الفاظ میں اپنے عرف جدید
 کا اتباع کرے اسی طرح ان احکام میں بھی جن
 کی بنیاد مجتہد نے اپنے زمانے کے عرف پر رکھی تھی
 اور وہ عرف کسی اور عرف سے بدل گیا۔ لیکن
 یہ حق اس وقت تک گاجب مفتی صحیح رائے و نظر
 اور قواعد شرعیہ کی معرفت کا حامل ہو تا کہ یہ تمیز
 کر سکے کہ کس عرف پر احکام کی بنیاد ہو سکتی ہے
 اور کس پر نہیں ہو سکتی۔

فرماتے ہیں، میں نے رد المحتار باب
 القسامة میں۔ اس مسئلے کے تحت کہ اگر
 غیر اہل محلہ کے کسی شخص پر قتل کا دعویٰ ہوا اور
 اہل محلہ میں سے دو مردوں نے اس پر گواہی
 دی تو حضرت امام کے نزدیک یہ گواہی قبول
 نہ کی جائے گی، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قبول
 کی جائے گی الخ۔ یہ لکھا ہے کہ سید حموی
 علامہ مقدسی سے نقل فرماتے ہیں کہ ان کا بیان ہے
 کہ میں نے قول امام پر فتویٰ دینے سے توقفت کیا
 اور اس قول کی اشاعت سے منع کیا، کیوں کہ
 اس سے عام نقصان و ضرر پیدا ہوتا، اس لئے
 کہ جو کرکش اسے علان لے گا وہ ان محلوں میں جو

النفس في المحلات العالية من غير اهلها
معتد على عدم قبول شهادتهم
عليه حتى قلت ينبغي الفتوى على
قولها لاسيما والاحكام تختص
باختلاف الایام انتهى۔

وقالوا اذا اضرع صاحب الارض
اس منه ما هو ادنى مع قدرته على
الاعلى وجب عليه خراج الاعلى،
قالوا وهذا يعلم ولا يفتى به
كيلا يتجرأ الظلمة على اخذ
اموال الناس، قال في
العناية ومردبانه كيف يحسب
الكتمان ولو اخذوا كانت في موضعه
مكونه واجبا، واجيب بان لو افتينا
بذلك لادعى كل ظالم في
ارض ليس شأنها ذلك انها قبل
هذا كانت توزع الزرع احن
مثلا في اخذ خراج ذلك وهو ظلم
وعداوان انتهى۔

وكذا في فتح القدير قالوا
لا يفتى بهذا لما فيه من تسلط
الظلمة على اموال المسلمين اذ
يبدعى كل ظالم ان الارض تصلح
لزمراعة الزرع احن و نحوه

غیر اہل محلہ سے غالی ہوں جاں مارنے میں جبری اور
بے باک ہو جائے گا اس اعتبار پر کہ اس کے
خلاف خود اہل محلہ کی شہادت قبول نہ ہوگی یہاں تک
کہ میں نے یہ کہا کہ فتویٰ قول صاحبین پر ہوتا ہے
خصوصا جب کہ احکام زمانے کے بدلنے سے بدل
جاتے ہیں۔ انتهى۔

انہ نے فرمایا، حسب زمین والا اپنی زمین
کے اندر اعلیٰ چیز کی کاشت پر قدرت رکھنے
کے باوجود ادنیٰ چیز کی کاشت کرے تو اس کے
اوپر اعلیٰ کا خراج واجب ہوگا۔ علمائے
فرمایا، یہ حکم جاننے کا ہے، فتویٰ دینے کا نہیں،
تاکہ ظالم حکام لوگوں کا مال لینے کی جرات نہ کریں۔
مناہ میں ہے، اس قول پر یہ رد کیا گیا ہے کہ علم
کا چھپانا کیونکر جائز ہوگا جب کہ وہ اگر لے ہی لیں
تو بچاؤ گا کیوں کہ یہی واجب ہے۔ اس کے
جواب میں یہ کہا گیا کہ اگر ہم اس پر فتویٰ دے دیں
تو ہر ظالم ایسی زمین میں جو اعلیٰ کے قابل نہ ہو
یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ پہلے تو اس میں زعفران
وغیرہ کی کاشت ہوتی تھی، از غدا ان کا خراج وصول
کر لے گا اور یہ ظلم وعدوان ہوگا۔ انتهى۔

اسی طرح فتح القدر میں ہے کہ اس پر فتویٰ
نہیں دیا جاتا کیونکہ اس کے تحت مسلمانوں کے
مال پر ظالموں کی چیرہ دستی ہوگی اس لئے کہ
ہر ظالم دعویٰ کرے گا کہ یہ زمین زعفران وغیرہ
پر تھے جانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور اس ظلم کا

و علاجہ صعب انتہی فقد ظہر
لک انت جمود المفتق
او القاضی علی ظاہر المنقول
مع ترک العرف والقرائن الواضحة و
الجہد باحوال اناس یزمر منه تضییع
حقوق کثیرة و ظلم حق
کثیرین۔

اقول ومن ذلك افتاد السيد
بنقل انقاض مسجد خرب ماحوله
واستغنى عنه الخ مسجد
اخر۔

قال في سرد المحتار وقد
وقعت حادثة سئلت عنها في امير
اسادات ينقل بعض احباب
مسجد خراب في سفح
قاسیوں بد مشق لیسلط بها صحت
الجامع الاموی فاقیت بعدم الجواز متابعه
للشربلال ثم بلغنی ان بعض المتغلبین
اخذوا تلك الاحباب لنفسه

علاج دشوار ہے۔ انتہی۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اگر مفتی یا
قاضی عرف اور قرائن واضح چھوڑ کر اور لوگوں کے
حالات سے بے خبر ہو کر نقل شدہ حکم کے ظاہر
پر جو اختیار کر لے تو اس سے بہت سے حقوق
کی بربادی اور بے شمار حقوق پر ظلم و زیادتی لازم
آئے گی اور۔

اقول اسی میں سے یہ بھی ہے کہ علامہ شامی
نے فتویٰ دیا کہ ایسی مسجد جس کے ارد گرد آبادی
نہ رہی اور اس کے سامان بے کار ہو گئے جن
کی اب ضرورت نہ رہی تو وہ دوسری مسجد میں
دیے جاسکتے ہیں۔

رد المحتار میں دہاتے ہیں، ایک نیا مسجد
درپش آیا جس سے متعلق مجھ سے یہ استفتاء ہوا
کہ دمشق کے اندر جبل قاسیوں کے دامن میں ایک
ویران مسجد ہے جس کے کچھ پتھروں کو امیر جامع برکات
کے بھی میں خرش بنانے کی خاطر لے جانا چاہتا ہے۔
میں نے علامہ شرنبلالی کی متابعت میں فتویٰ دیا
کہ ناجائز ہے۔ کچھ دنوں بعد مجھے معلوم ہوا
کہ ایک چیرہ دست ظالم اہل پتھروں کو اپنے لئے

فہ مسئلہ جو مسجد ویران ہو اور اس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو اور اس کے آلات کی حفاظت
نہ ہو سکے تو اب فتویٰ اس پر ہے کہ اس کے کڑی تجھے وغیرہ دوسری مسجد میں دیے جاسکتے ہیں۔

فند مت علی ما افتیت به ^{لہ}۔
ومن ذلک افتاء جہد المقدسی
بجو انراخذ الحق من خلاف
جنسہ عند ارضییم الحقوق۔

اٹھائے گیا۔ یہ سن کر اپنے فتوے پر ندامت ہوئی۔
اسی میں یہ بھی ہے کہ علامہ مقدسی کے ماننے
بربادی حقوق سے بچانے کے لئے یہ فتویٰ دیا کہ
صاحب حق اپنا حق خلاف جنس سے لے سکتا ہے
(مثلاً کسی ظالم نے کسی کے سورو پے دبا لئے اور
ملنے کی امید نہیں تو مظلوم بجائے سورو پے کے
اتنے ہی کی کوئی اور چیز جو ظالم کے مال سے ہاتھ
آئے لے سکتا ہے)۔

قال فی رد المحتار قال القسطنطینی
وفیہ ایماہ ان لا یأخذ
من خلاف جنسہ عند المجانسة
فہ المالیة وھذا اوسع فبحسب
الاحذ بہ وامن لو یکن مدھباً
فان الاتساع یحذر فہ العمل بہ
عند الضرورة کما فی الزاھدی اھ
قلت وھذا ما قالوا انہ لا یستند لہ
لکن رأیت فی شروح نظم الکفر
للمقدسی من کتاب العجوة قال ونقل

رد المحتار میں ہے اکتفاً فی نے کہا اس میں
یہ اشارہ ہے کہ وہ خلاف جنس سے بھی لے سکتا
ہے جب کہ مالیت یکساں ہو، اس حکم میں زیادہ
گنجائش ہے تو ہمارے مذہب میں اگرچہ یہ
حکم نہیں مگر اسے لے جاسکتا ہے اس لئے کہ
انسان وقت ضرورت اس پر عمل کر لینے میں مضور
ہے، جیسا کہ زاہدہ میں ہے اھ۔ میں کہتا ہوں
اس حکم سے متعلق لوگوں نے کہا کہ اس کی کوئی
سند نہیں، لیکن میں نے علامہ مقدسی کی شرح
نظم الکفر کتاب الجہد میں دیکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرے

فتوے مسئلہ جس کے کسی پر مثلاً سورو پے آسم ہوں کہ اس نے دبا لئے یا اور کسی وجہ سے ہونے
اور اسے اس سے روپیہ ملنے کی امید نہیں تو سورو پے کی مقدار تک اس کا جو مال ملے لے سکتا ہے آجکل
اس پر فتویٰ دیا گیا ہے مگر بچے دل سے بازار کے بھاؤ سے سو ہی روپے کا مال ہو، زیادہ ایک چیسہ کا ہو
تو حرام و حرام ہے۔

جد والدی لامه الجمال الاشقر
فی شوحه للقد ورج امت عدم
جوانر الاخذ من خلاف الحفس کانت
فی زمانهم لمطا وعتهم فی الحقوق والفتوی
الیوم علی جوانر الاخذ عند القدر مرة من
ای مال کانت لاسیما فی دیار المدا وعتهم
للحقوق اھ۔

ومن ذلك افتاؤ صواصا
بعد ما انقضى نكاح امرأة مسلم
باسر تداها لمارايت من تجا سره من
عبادة الى قطع العصمة مع عدم
امكان استرقاقهن فی بلادنا و
لا ضربهن وحبسهن عن
الاسلام كما بينته فی
السيرة فتا ویتا وکھ له
من نظیر۔

وعلى الثاني ان لم تكن
فيها رواية عن الامام
فخارج عما نحت فيه

والد کے ناما جمال اشقر نے اپنی شرح قدوری میں
نقل کیا ہے کہ، خلاف جنس سے نہ لینے کا حکم
ان حضرات کے دور میں تھا کیوں کہ اس وقت حقوق
کے معاملے میں شریعت کی قربان داری ہوتی تھی اور
آج فتویٰ اس پر ہے کہ جب قدرت مل جائے تو
کسی بھی مال سے لینا جائز ہے خصوصاً ہمارے
دیار میں۔ کیونکہ اب پیہم نافرمانی جو رہی ہے اھ۔

اسی میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے یاد ہا
فتویٰ دیا کہ کسی مسلمان کہ بیوی مرتد ہو جائے
تو نکاح سے نہ نکلے گی کیوں کہ میں نے یہ دیکھا
کہ رشتہ نکاح منقطع کرنے کی جانب پیش قدمی
میں ان کے اندر ارتداد کی جسارت پیدا ہو جاتی
ہے اور ہمارے بلاد میں نہ انھیں باندی بنایا
جاسکتا ہے نہ مار پیٹ کر اسلام لانے پر مجبور
کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اسے ہم نے اپنے
فتاویٰ کی کتاب البتیر میں بیان کیا ہے۔
اور اس کی دوسری بہت سی نظیریں ہیں۔

برقہ یرثانی (اس مسئلے میں اسباب
ستہ میں سے کوئی سبب نہیں) اگر اس میں
امام سے کوئی روایت ہی نہ آئی تو یہ صورت ہمارے

فت مسئلہ اب فتویٰ اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذا اللہ مرتد ہو کر بھی نکاح سے نہیں نکل سکتی وہ
پرستور اپنے شوہر مسلمان کے نکاح میں ہے مسلمان ہو کر یا بلا اسلام دوسرے ستہ نکاح نہیں کر سکتی۔

ولا شك ان الرجوع اذ ذاك
الحج المجتهد في المذهب .
وان كانت قاصداً مختلف عنه اولا .

على الاول الرجوع اليهم
وكيف ما كانت لا يكون خروجاً
عن قوله رضي الله تعالى عنه
ولا اعني بالاختلاف مجيئ النوادر
على خلاف الظاهر فان
ما خرج عن ظاهر الرواية
مرجع عنه كما نص عليه
البحر والمخير والشامى وغيرهم
وما رجع عنه لم يبق قولاً
مستتباً .

وعلى الثاني اما واقعه صاحبه
او احدهما او خالفاه .

على الاول العمل بقوله قطعاً
ولا يجوز لمجتهد في المذهب

مجتهد في خارج ہے اور بلا شہد اس
صورت میں مجتہدین فی المذہب کی جانب رجوع
ہو گا۔ اگر روایت ہے تو امام سے روایت مختلف
آئی ہے یا بلا اختلاف آئی ہے۔

پہلی صورت میں رجوع ان ہی حضرات کی
جانب ہو گا۔ اور جیسے بھی ہو تو یا امام
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خسروج نہ ہو گا۔
اور اختلاف سے میری مراد یہ نہیں
کہ روایات نوادر ظاہر الروایہ کے خلاف آئی
ہوں۔ اس لئے کہ جو ظاہر اور یہ سے خارج ہے
مرجع عنہ ہے (اس سے خود امام نے رجوع کر لیا
ہے) صحابہ کرام، خیر اہل، شافعی وغیرہ نے اس
کی نصرت فرمائی ہے۔ اور امام نے جس سے رجوع
کر لیا وہ ان کا قول ذرہ گیا۔ اس تحقیق پر
ثابت قدم رہو۔

بصورت دوم (جب کہ روایت امام سے
بلا اختلاف آئی ہے) (۱) یا تو صاحبین امام کے
موافق ہوں گے (۲) یا صرف ایک صاحب موافق
ہوں گے (۳) یا دونوں حضرات مخالفت ہوں گے۔
پہلی صورت میں قطعاً قول امام پر عمل ہو گا۔
اور کسی مجتہد فی المذہب کے لئے ان حضرات کی

فت : فائدہ ما خرج عن ظاهر الرواية فهو مرجع عنه .

مخالفت روا نہیں۔ مگر استثنائیں اسباب
سببہ والی صورتوں میں۔ کہ یہ ان حضرات کی
مخالفت نہیں، بلکہ اس کے خلاف جانے میں
ان کی مخالفت ہے۔

یہی حکم دوسری صورت کا بھی ہے۔ جیسا
کہ اس کی بھی مذکورہ حضرات نے تصریح
فرمائی ہے۔

بصورت سوم۔ (۱) یا تو صاحبین کسی ایک
حکم پر متفق ہوں گے (۲) یا امام کے مخالف ہونے
کے ساتھ باہم بھی مختلف ہوں گے۔ بصورت دوم
مطلقاً قولِ امام پر عمل ہوگا۔ اور بصورت اول
(۱) یا تو ہمیں قولِ صاحبین کی ترجیح پر متفق ہونے
(۲) یا تو امام کی ترجیح پر متفق ہوں گے (۳) یا یہ
دونوں صورتیں نہ ہوں گی۔ اس طرح کہ ترجیح
کے معاملے میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہوں یا
سرسے سے کسی کی ترجیح ہی نہ آئی ہو۔

پہلی صورت (صاحبین امام کے مخالف،
باہم متفق ہوں اور تمام مرجعین بھی ان ہی کی ترجیح پر
متفق ہوں) نہ کبھی ہوتی نہ کبھی ہو سکتی ہے مگر ان
ہی چھ اسباب میں سے کسی ایک سبب کی صورت
میں۔ اگر ایسا ہے تو ہم مرجعین کا اتباع کریں گے
کیونکہ یہی ہمارے امام کا بلکہ ہمارے تینوں ائمہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے۔ صاحبین کا
قول ضروری بھی ہے۔ اور امام کا قول ضروری
اور اگر کوئی اپنی انتہائی کوشش اس بات کے لئے

ان یخالعہم الا فی صور الثنیما اعنی
الحوامل الست فانہ لیس
خلافہم بل فی خلافہ
خلافہم۔

و کذلک علی الشاف کما
نصوا علیہ ایضاً۔

و علی الثالث اما ان
یتفقوا علی شیء واحد او خالفا
وتخالفا۔ علی الشاف العمل
بقولہ مطلقاً۔ و علی الاول اما
ان یتفق المرجعون علی ترجیح
قولہما او قولہ اولا ولا یامن
بختلفوا فیہ اولاً یا قلب
ترجیح شئ منہما۔

الاول لا کانت ولا یکون
قط ابداً الا فی احدی
الحوامل الست، و حیث ان
نتبعہم لانہ قول امامنا
بل ائمتنا الثلاثة رضی اللہ
تعالیٰ عنہم صوس یا لہما
وضرور یا لہ، و انت جہد
احد غایۃ جہد، انت
یستخرج فرعاً من غیر الست

اجمع فيه المرجحون عن آخرهم
علف ترك قولہ واختیار
قولہما قلت یجب منہ
ابداً، والله الحمد۔

صرف کر ڈالے کہ اسباب مستند والی صورتوں کے
علاوہ کوئی ایک جزئیہ ایسا نکال لے جس میں
سب کے سب مرجحین نے قولِ امام کے ترک
اور قولِ صاحبین کی ترجیح پر اجماع کر رکھا ہو تو
ہرگز ہرگز کبھی ایسا کوئی جزئیہ نہ پاسکے گا،
ولله الحمد۔

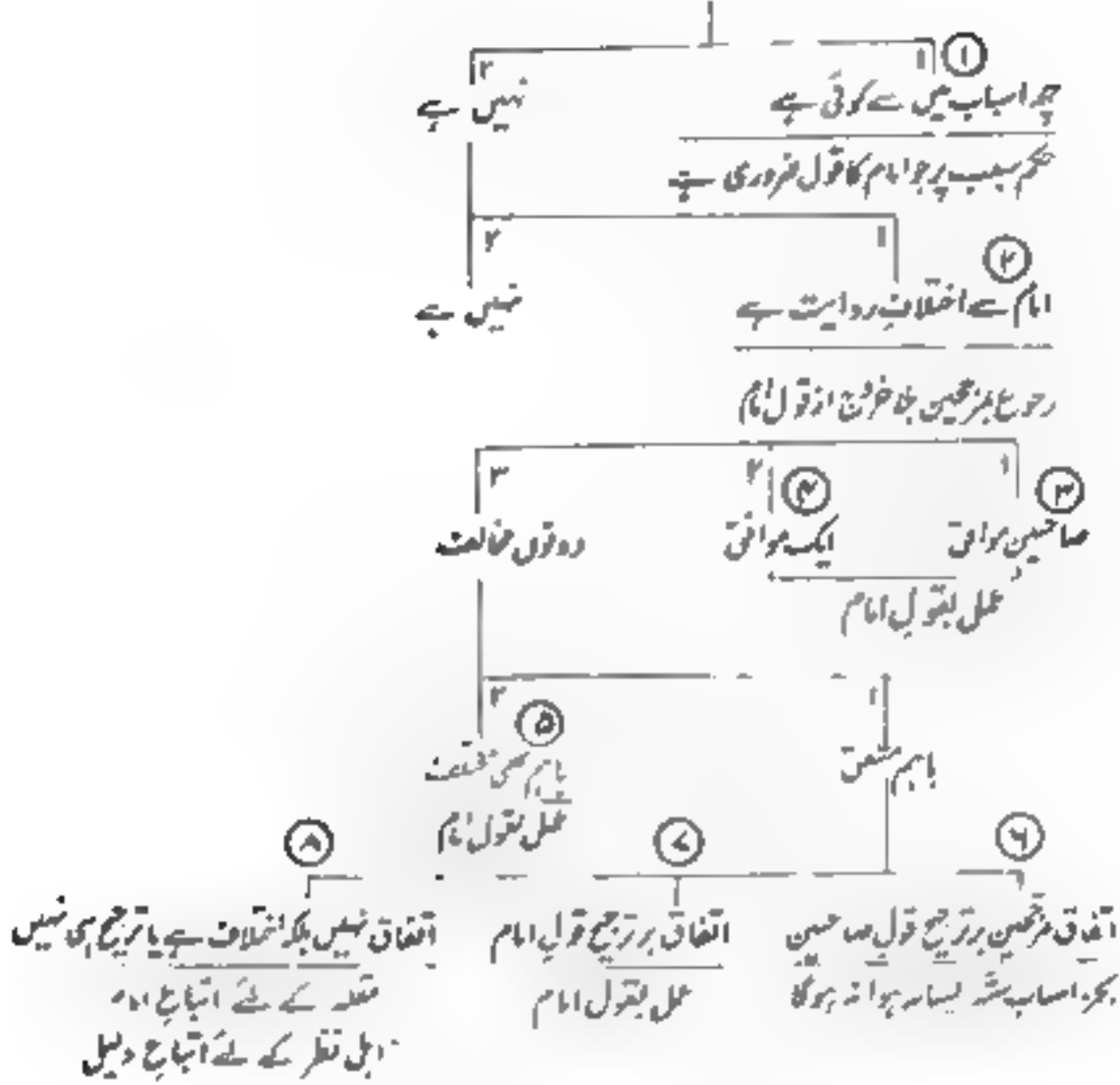
والشاف ظاہران العمل
بقوله اجماعاً لا ینبغی ان ینتظر
فیه عزائم فالسائل ان
ہنا اختلاف فیہما و فیہما
جميعاً العمل بقول الامام
مہما وجد۔

دوسری صورت (صاحبین مخالفین
امام ہیں، مرجحین قولِ امام کی ترجیح پر متفق
ہیں) میں ظاہر ہے کہ قولِ امام پر عمل ہو گا،
بالاجماع اس میں کسی دُور فرد کا بھی باہم نزاع
نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک جو مسائل بیان ہو
ان میں کوئی اختلاف نہیں اور سب میں یہی ہے
کہ عمل قولِ امام ہی پر ہے جہاں بھی قولِ امام
موجود ہو۔

بقی الثالث وهو شامع
ثمانیة من هذه الشقوق
فہو الذی اقف فیہ الخلاف
فقیل ہنا ایضاً لا ینبغی حتی للمجتہد
بل یتبع قول الامام وان ادى
اجتہادہ الی ترجیح قولہما
وقیل بل یتخیر مطلقاً ولو
غیر مجتہد والذی اتفقت
کلاتہم علی تمجیہ التفصیل یا ان
البتل یتبع قول الامام و اهل النظر
قوة الدلیل۔

تیسری صورت رہ گئی۔ یہ ان شقوق کی
آٹھ صورتوں میں سے آٹھویں صورت ہے۔
اسی میں اختلاف وارد ہے۔ ایک قول ہے
کہ یہاں بھی کوئی تخییر نہیں یہاں تک کہ مجتہد کے لئے
بھی نہیں، بلکہ اسے قولِ امام ہی کی پیروی کرنا ہے
اگرچہ اس کا اجتہاد قولِ صاحبین کی ترجیح دیتا
ہو۔ ایک قول ہے کہ مطلقاً تخییر ہے اگرچہ
غیر مجتہد ہو۔ اور کلمات علماء جس کی یہ تصحیح متفق ہیں
وہ یہ ہے کہ مجتہد اور غیر مقصد کا حکم یہاں الگ الگ
ہے۔ مقصد قولِ امام کی پیروی کرے گا اور صاحبِ نظر
قوتِ دلیل کی پیروی کرے گا۔

مسائل اختلافیہ میں



فقد التأمّت الكلمات الصحيحة

المعتمدة جميعا على ان المقلدا

ليس له الا تقليد الامام و ان

افتن بخلافه هفت او هفتون ،

فانما هم جميع بخلافه فتن صور الشيا

ما كان وما يكون ، والحمد لله رب العالمين

وصلواته الدائمة على عالم مآكات

تو تمام صحیح معتد کلمات اس پر متحد ثابت ہوئے
کو مقلد کو بہر صورت امام ہی کی تقلید کرنا ہے اگرچہ
کسی ایک مفتی یا چند مفتیوں نے اس کے خلاف
فتویٰ دیا ہو۔ کیونکہ سب کے سب مفتیوں کا خلاف امام
افتا — بجز ضروری استثناء — نہ کبھی ہوا ہے
نہ ہوگا — اور تمام تر تشائش خدا کے لئے ہو سارے
جہانوں کا پروردگار ہے — اور اس کا دائمی درود

جو عالم پاکان و مایکون پر، اور ان کی آل و اصحاب
فرزند اور گروہ پر، ان درودوں میں سب سے
افضل درود جن کاساتوں نے سوال کیا۔

یہ ہے وہ جو کلمات علما کی تحیس سے ہیں حاصل ہوا
اور یہی وہ چشمہ صافی ہے جس پر بکرا اترے۔
اب علما کے نصوحی ملاحظہ ہوں، ان حضرات
کے طفیل اللہ تعالیٰ نابینائی زائل کرے اور ان کے
صحت میں ہم سے ہر تکلیف و بلا دور کرے۔

مدعی پر ۵۴ فصوص

(۱۔ ۳) امام سرخسی کی محیط
فتاویٰ ہندیہ میں ہے ان دو ضابطوں کی معرفت
فردی ہے اول یہ کہ جب ہمارے اصحاب
ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کسی بات
پر متفق ہوں تو قاضی کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنی رائے
سے ان کی مخالفت کرے دوم یہ کہ جب
ان حضرات میں باہم اختلاف ہو تو عبد اللہ بن
مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ امام
ابو حنیفہ کا قول یا جائے گا اس لئے کہ وہ
تابعین میں سے تھے اور تابعین کے مقابلہ
میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور۔

یکون، وعلى آله وصحبه وابنه
وحزبه افضل ما سأل
السانون۔

هذا ما تلخص لنا من كلماتهم
وهو المنهل الصافي الذي ورد به البحر۔
فاسم فصوص العلماء وكشف
الله تعالى بهم العناء، وجلا بهم
عنا كل بلاء وعناء۔

خمسة وأربعون نصا على المدعى

في محيط الامام السرخسي
ثم الفتاوى الهندية لاند من معرفة
فصلين احدهما انه اذا اتفق اصحابنا
في شيء ابو حنيفة وابو يوسف ومحمد رضي الله
تعالى عنهم لا ينبغي للقاضي ان يخالفهم
برأيه والثاني اذا اختلفوا فيما بينهم
قال عبد الله بن المبارك رحمه الله
تعالى يؤخذ بقول ابي حنيفة رضي الله
تعالى عنه لانه كان من التابعين وزاحمهم
في الفتوى اهـ

فـ، فأندك امامنا رضي الله تعالى عنه من التابعين وقد راجعنا عنهم في الفتوى۔

سہ الفتاویٰ ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب ادب القاضی ابواب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۱۲

ثم اذ العلامة قاسم في تصحيحه
ثم الشامي في سرد المختار فقوله اسد
واقوع ما لم يكن اختلاف عصر
ومن مات له.

اقول وقول السرخسي برأيه
يدل انت النهي للمجتهد ولا ينبغي
اي لا يفعل بدليل قوله لا بد
فلا يقال للمستحب لا بد من معرفته
اذا ما لا يحتاج اليه ففعله
لا يحتاج اليه معرفته انما
العمل للعمل. وفي فتاوى
الامام الاجل فقيه النفس
قاضي خات المفتي في زماننا
من اصحابنا اذا استفتى في
مسألة ومثل عن واقعة انت
كانت المسألة صروية عن
اصحابنا في الروايات الظاهرة
ملاحظت بينهم فانه يميل اليهم
ويقتي بقولهم ولا يخالفهم
برأيه وانت كانت بمجتهد امتقنا
لانت الظاهر انت يكون الحق
مع اصحابنا ولا يعد وهم و
اجتهاده لا يبطل اجتهادهم و

(۳ - ۵) یہاں علامہ قاسم نے تصحیح میں
پھر علامہ شامی نے رد المحتار میں یہ اضافہ کیا
توان کا قول زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہوگا جب کہ
عصر و زمانہ کا اختلاف نہ ہو۔ ا۔

اقول امام سرخسی کا لفظ "اپنی رائے
سے" یہ بتاتا ہے کہ مخالفت مجتہد کے لئے ہے۔
اور "نہیں چاہئے" کا معنی یہ ہے کہ "نہ کرے"
اس کی دلیل ان کا لفظ "لا بد" - ضروری ہے۔
کیوں کہ مستحب سے متعلق یہ نہ کہا جائے گا کہ "اس
کی معرفت ضروری ہے"۔ اس لئے کہ جس کا ذکر
کرنا ضروری نہیں اس کا جاننا بھی ضروری نہیں۔
علم تو عمل ہی کے لئے ہوتا ہے۔

(۶) امام اجل فقیر انفس قاضی خاں کے فتاویٰ
قاضی خاں کے فتاویٰ میں ہے اہمار سے دور
میں جب ہمارے مسلک کے مفتی سے کسی مسئلہ
میں استفتا اور کسی واقعہ پر سوال ہو تو اگر وہ مسئلہ
ہمارے ائمہ سے ظاہر الروایہ میں بلا اختلاف باہمی
مروی ہے تو ان ہی کی طرف مائل ہو، ان ہی کے
قول پر فتویٰ دے اور اپنی رائے سے ان کی
مخالفت نہ کرے اگرچہ وہ پختہ کار مجتہد کیوں نہ ہو۔
اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ حتی ہمارے ائمہ کے
ساتھ ہے اور ان سے متجاوز نہیں۔ اور اس کا
اجتہاد ان کے اجتہاد کو نہیں پاسکتا۔ اور ان کے

لا ينظر الى قول من خالفهم و
لا تقبل حجته لانهم عرقوا
الادلة وميزوا بين ما صح و ثبت
وبين ضده فان كانت المسألة
مختلفة فيها بين اصحابنا فان
كان مع ابي حنيفة رحمه الله تعالى
احد صاحبيه يؤخذ بقولهما
لوفور الشرائط و استجماع
ادلة الصواب فيهما وان
خالف ابا حنيفة رحمه الله تعالى
صاحبا فذلك فان كان اختلافهم
اختلاف عصور و زمان كالقضاء
بظاهر العدالة يأخذ بنقل صاحبيه
لتغير احوال الناس وفي النزاع
و المعاملة و نحوه ما يختار
قولهما لاجتماع المتأخرين على
ذلك وفيما سوجب ذلك قال
بعضهم يتخير المجتهد و يعمل
بما افضى اليه رايه و قال عبد الله
بن المبارك يأخذ بقول ابي حنيفة
رحمه الله تعالى اهـ

اقول ولو حجه ربنا الحمد
اقى بكل ما قصدناه فاستثنى

مخالف کے قول پر نظر نہ کرے نہ اس کی حجت قبول
کرے اس لئے کہ وہ دلائل سے آشنا تھے اور
انہوں نے ثابت صحیح اور غیر ثابت صحیح کے درمیان امتیاز بھی کر دیا۔
(۲) اگر مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے درمیان
اختلاف ہے تو اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ
کے ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک
ہیں تو ان ہی دونوں حضرات (امام اور صاحبین
میں سے ایک) کا قول لیا جائے گا کیوں کہ ان
میں شرطیں فراہم، اور دلائل صواب مکتبہ ہیں۔
(۳) اور اگر اس مسئلہ میں صاحبین امام ابو حنیفہ
رحمہ اللہ تعالیٰ کے برخلاف ہیں تو یہ اختلاف اگر عصر
زمان کا اختلاف ہے۔ جیسے گواہ کی خطا ہری
عدالت پر فیصلہ کا علم۔ تو صاحبین کا قول
لیا جائے گا کیونکہ لوگوں کے حالات بدل چکے ہیں۔
اور مزاحمت، معاشرت اور ایسے ہی دیگر مسائل
میں صاحبین کا قول اختیار ہو گا کیونکہ متاخرین
اس پر اتفاق کر چکے ہیں۔ (۴) اور اس کے
ماسوا میں بعض نے کہا کہ مجتہد کو اختیار ہو گا اور جس
نتیجے تک اس کی رائے پہنچے وہ اس پر عمل
کرے گا اور عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ
ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول لے گا اور۔

اقول ہمارے رب ہی کی ذات
کے لئے محمد ہے۔ امام قاضی خاں نے ہمارے

التعامل وما تفيده الحکم لتفیر
الاحوال فقد جمع الوجوه الستة
الذی ذکرناها ، ونص امت اهل
النظر لیس لهم خلاف الاصنام اذا
وافقه احد صاحبیه فکیف اذا
وافقه .

ثم ما ذکر من القولین فیما
عداها لا خلف بینہما فی المقلد
فالاول بتقیید التخییر
بالمجتہد افاد ان لا خيار لعیرة و
الثانی حیث منع المجتہد عن
التخییر فهو للمقلد امر فائق
القولان علی ان المقلد لا یتحیر ببل
یتبع الاصنام وهو الصواب .

وفي الفتاوى السراجية والنهر الفائق
ثم الهندية والحموى وكثير من
الكتب واللفظ السراجية ،

الفتوى عن الاطلاق على قول ابي حنيفة
ثم ابي يوسف ثم محمد
ثم رقعته والحسن و
عنه هكنا نقل عنها في شرح العقود وغيره
والحسن بالواو وهو صفاد الدين كنون في
نسخة السراجية ثم الحسن والله تعالى اعلم
آل فتاوى السراجية كتاب ادب المفتي والتبعية على الجواب

مقصود سے متعلق سبب کچھ بیان کر دیا۔ تعامل اور
اس مسئلے کا جس میں حالات کے بدلنے سے حکم
بدل گیا ہے، استثنائاً کر کے ہمارے ذکر کردہ اسباب
بستہ کو جمع کر دیا۔ یہ صراحت بھی فرمادی کہ مجتہدین
میں سے کوئی ایک جبہ امام کے موافق ہوں تو اصحاب
نظر کے لئے امام کی مخالفت روا نہیں۔ اگر
دونوں ہی اسی کے موافق ہیں تو کیونکر روا ہوگی ؟
پھر اسو مسائل میں جو دو قول بیان کئے
ہیں ان کے درمیان مقلد کے بارے میں کوئی
اختلاف نہیں۔ قول اول میں تخییر کو مجتہد سے
مقید کر کے یہ افادہ کر دیا کہ غیر مجتہد کو اختیار نہیں۔
اور قول دوم میں جب مجتہد کو تخییر سے منع کیا تو مقلد
کو تو اور زیادہ منع کری گے۔ اس طرح دونوں
قول اس بات پر متفق تھے کہ مقلد کو تخییر نہیں
بلکہ اسے امام ہی کا اتباع کرنا ہے۔ یہی
مقصود ہے۔

(۴۔۱۰) فتاویٰ سراجیہ ، النہر الفائق ،
پھر ہندیہ و حموی اور بہت سی کتابوں میں ہے ،
الفاظ سراجیہ کے ہیں ،

فتویٰ مطلقاً قولی امام ابو حنیفہ پر ہوگا۔ پھر
امام ابو یوسف پھر امام محمد پھر
امام زکریا۔ اور امام حسن کے قول پر
سراجیہ سے شرح عقود وغیرہ میں والحسن واو کے ساتھ
نقل کیا ہے۔ یہی درختار کا بھی مفاد ہے۔ لیکن میرے
فہم سراجیہ میں ثم الحسن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷ مرتبہ)
طبع نوکشتور کھنؤ ص ۱۵۷

لفظ النهر ثم الحسن

اور نہر میں ثم الحسن ہے (پھر امام حسن)

اقول لفظ نہر ثم الحسن "عمدہ" ہے کیونکہ امام زفر کی ان سے برتری ناقابل انکار ہے۔ لیکن علامہ رشامی لکھتے ہیں کہ "داؤد" ہی کتابوں میں مشہور ہے۔ اور ترتیب مذکور اس صورت میں مقصود ہے جب امام کا قول نہ ملے (۱) پھر میں نے دیکھا کہ علامہ رشامی نے شرح عقود میں اس کی مراعت بھی فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں: جب امام کا کوئی نص نہ ملے تو امام ابو یوسف کا قول مقدم ہوگا پھر امام محمد کا۔ الخ۔ اور فرماتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ یہ غیر مجتہد کے حق میں ہے۔ رہا مفتی مجتہد تو یہ اسے اختیار کرے گا جس کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو۔

اقول یعنی جب امام کا قول اسے نہ ملے تو وہ ترتیب کا پابند نہیں کہ امام ثانی ہی کے قول کی پیروی کرے اگرچہ اس کا اجتہاد امام ثالث کے قول پر جائے، جیسے اس صورت میں بالاتفاق اسے اختیار نہیں جب امام کے ساتھ صاحبین یا ان میں سے ایک ہوں۔ اور علامہ رشامی نے حسن ظاہر کہہ کر بیان کیا وہ ظاہر ہے۔ پھر سر اجیہ

اقول وهو حسن قامت مكانة نرفر مما لا ينكر كنت قال ش السواد هي المشهورة في الكتب اء ومعنى الترتيب اء اذ الم يوجد قول الامام مرايت الشافى صرح به في شرم عقوده حيث قال اذ الم يوجد للامام نصب يقدم قول اء يوسف ثم محمد قال والظاهر ان هذا في حق غير المجتهد اما المفتي المجتهد فيتخير بما يتوجه عنده دليله اء

اقول اء اذ الم يوجد قول الامام لا يتقيد بالترتيب فيتبع قول الشافى وان اءى راى اءى قول الثالث كما كان لا يتخير اتفاقا اذ كان مع الامام صاحباه او احدهما والذء استطهره ظاهر ثم قال اعف الساجية

۴۲/۲	مطبع مجبائی دہلی	کتاب القضاء	لہ الدر المختار بحوالہ النہر
۵۹۹/۲	قدیمی کتب خانہ کراچی	کتاب القضاء	النہر الخافق شرح کثر الدقائق
۳۰۲/۲	" " "	" " "	لہ رد المختار کتاب القضاء مطب فنی بقول الامام علی الاطلاق
۲۷/۱	سہیل اکیڈمی لاہور	رسالہ من رسائل ابن عابدین	سے شرح عقود دم المفتی

اور تہر میں یہ بھی ہے دیکھا گیا کہ جب امام ابو حنیفہ
ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو
مفتی کو اختیار ہے اور قول اول اصح ہے
جب کہ مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو۔

(۱۲-۱۵) تنویر آقا بصر اور در مختار میں ہے
(جہارت تنویر قوسین میں ہے ۱۷م) مفتی کی طرح
قاضی بھی (مطلقاً قول امام کو لگا)۔ یہی اصح
ہے۔ فیہ و سر آخر۔ اور حاوی میں قوت
دلیل کے اعتبار کو صحیح کہا ہے۔ اور قول اول
زیادہ ضبط والا ہے تہر۔ (اور تنویر نہ ہوگی مگر
جب کہ وہ صاحب اجتہاد ہو)۔

(۱۶-۱۷) طحاوی کے شروع میں ہے
مصنف نے جو کر کیا ہے اسی کو ادب المتالی
میں صحیح کہا ہے۔

(۱۸) بحر میں ہے، جیسا کہ گزرا، علما نے اسی کو
صحیح قرار دیا ہے کہ فتویٰ قول امام پر ہو گا۔
علامہ شامی لکھتے ہیں عبارت در مختار و هو
الاصح کا مقابل وہ ہے جو حاوی کے حوالے
سے آ رہا ہے اور وہ جو جامع الفصولین میں ہے

والتہر و قیل اذا كانت الموحیفة
ف جانب وصاحیاء ف جانب
فالمفتی بالخیار والاول اصح اذا لم
یکن المفتی مجتہداً ۱۱۱ وفي التنویر
والدرس (یاخذ) القاضی کالمفتی
(بقول ابی حنیفہ علی الاطلاق)
وهو الاصح منیة و سواجیة
وصحیح ف الحاوی اعتبار
قوة المدرك والاول اضبط
نہتر ۱ ولا یخیر الا اذا كانت
مجتہداً ۱۱۱ وفي صدر ط
مادونة المصنف صحیحہ ف
ادب اطفال ام وفي التہر
کما مرقد صحیحوا
ام الافتاء بقول الامام ۱۱۱
وقال ثم قوله و هو
الاصح مقابله ما یاق
عن الحاوی و ما
ف جامع الفصولین من

۱۔ الفتاوی السراجیہ کتاب ادب المفتی والتنبیہ علی الجواب مطبع نوکشتور کنو ص ۱۵۷
النہر الخاق شرح کز الدقائق کتاب القضاء قیدی کتب خانہ کراچی ۵۹۹/۳
۲۔ الدر المختار کتاب القضاء مطبع مجتہاتی دہلی ۷۲/۲
۳۔ حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار مقدمۃ الکتاب المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴۶/۱
۴۔ البحر الرائق کتاب القضاء فصل بحر تعلیل من شاء ۱۱۱ ایچ ایم سید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶

انه لو معه احد صاحبیه
 اخذ بقوله وانت خالفاه قيل
 كذلك وقيل يخير الا فيما كان
 الاختلاف بحسب تغير الزمان
 كالحكم بظواهر العداۃ
 وفيما اجمع المتأخرون
 عليه كالمناسعة والمعاملة
 فيختار قولهما آھ وقف صدق
 الدار الاصح كما في
 السراجية وغيرهما انه
 يفتي بقول الامام علی
 الاطلاق وصح في الحاوی القدسی
 قوة المدرك آھ قال ط قوله
 والاصح مقابله قوله بعد
 وصح في الحاوی آھ

کہ اگر صاحبین میں سے کوئی ایک، امام کے ساتھ
 ہوں تو قول امام لیا جائے گا۔ اور اگر صاحبین
 مخالف امام ہوں تو بھی ایک قولی ہی ہے
 دوسرا قول یہ ہے کہ تخییر ہوگی مگر اس مسئلے کے
 اندر جس میں تبدیلی زمانہ کی وجہ سے اختلاف
 پیدا ہوا ہو جیسے ظاہر عدالت پر فیصلہ کرنے کا
 مسئلہ اور مزارعت و معاہدت جیسے مسائل
 جن میں متاخرین کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان سب
 میں قولی صاحبین اختیار کیا جائے گا آھ۔

درمختار کے شروع میں ہے جیسا کہ سراجیہ
 وغیرہ میں مذکور ہے اصح یہ ہے کہ مطلقاً قول امام
 پر فتویٰ دیا جائے گا۔ اور حاوی قدسی میں قوت
 دلیل کے اعتبار کو صحیح کہا ہے آھ۔
 طحاوی کہتے ہیں، درمختار میں مذکور اصح
 کا مقابل وہ ہے جو بعد میں صحیح ف
 الحاوی — حاوی نے اعتبار دلیل کو صحیح کہا
 لکھ کر بیان کیا ہے۔ آھ۔

علامہ شامی سراجیہ کی عبارت نقل کرنے
 کے بعد لکھتے ہیں: اصح کا مقابل کلام شارح میں
 مذکور نہیں۔ فافہم (تو سمجھو)۔ آھ۔ اس لفظ

وقال ثم بعد نقل عبارة
 السراجية مقابل الاصح غير
 مذکور في كلام الشارح فافهم آھ۔

۳۰۲/۴	سہ رد المحتار کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق وادراج التراث العربی بیروت	۳۰۲/۴
۱۴/۱	مطبع مجتبائی دہلی	۱۴/۱
۲۹/۱	المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ	۲۹/۱
۳۸/۱	دار احیاء التراث العربی بیروت	۳۸/۱
	رسم المغنی	
	سہ حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار	
	سہ رد المحتار	

یوید بہ التخریض علی ط۔

اقول ہمناموس لابد

من التنبہ لہا:

فاولا اقحم الدر ذکر

فی التصحیحین قبل قول المصنف و

لا یشیر بہ فاوہم الاطلاق فی

الحکم الاول حتی قال

ط قوله صحح فی الحاوی

مقابل الاطلاق الذی

فی المصنف ام مع ان صریح

نص المصنف تفسیدا بما اذا

لم یکن مجتہدا۔

وثانیا ما صححہ فی الحاوی

عن ما صححہ فی السراجیۃ

والنیۃ وادب المقال وغیرھا وانما

الفرق فی التعلیل فہم قالوا الاصح ان

المقلد لا یتحیر بل یتبع قول الامام

وہو قال الاصح ان المجتہد

۱۔ تفضل علی الدر المختار۔

۲۔ معروضۃ علی العلامة ط۔

سے طحاوی پر تخریض مقصود ہے۔

اقول یہاں چند امور پر متنبہ ہونا

ضروری ہے :

اولا صاحب تنویر کا قول "مطلق"

قول امام کو لے گا "غیر مجتہد سے خاص ہے۔"

مگر شارح نے عبارت "من" اور "تخصیص نہ ہوگا" "لم"

سے پہلے دونوں نصیحوں کا تذکرہ درمیان میں رکھ

دیا جس سے یہ وہم پیدا ہوا کہ حکم اول (اخذ

قول امام) میں اطلاق ہے۔ یہاں تک کہ

سید طحاوی نے یہ سمجھ لیا کہ شارح کا قول "صحیح

فی الحاوی" اسی اطلاق کا مقابل ہے جو کلام

مصنف میں ہے حالاں کہ مصنف کی عبارت

میں صراحت و در اس سے متعین ہے کہ جب کہ

وہ صاحب اجتہاد نہ ہو۔

ثانیا حاوی میں جس قول کو صحیح کہا ہے

بعینہ وہی ہے جسے سراجیہ وغیرہ ادب القائل

وغیرہ میں صحیح کہا ہے، فرق صرف تعبیر کا ہے۔

ان حضرات نے یوں کہا کہ، مقلد کو تخصیص نہیں

بلکہ اسے قول امام ہی کی پیروی کرنی ہے۔

اور حاوی نے یوں کہا کہ اصح یہ ہے کہ مجتہد کو

یتخیر لام قوۃ الدلیل انما
يعرفها هو فيستحيل ان يكون
مقابل الاصح ما صححه في المحاوي
بل مقابله التخیر مطلقا اذا
خالفتها معا كما
هو مفاد اطلاق القيل المذكور
في السراجية والتقييد بقول الامام
مطلقا وان خالفتها معا والمفتي
مجتهد كما هو مفاد اطلاق ما
صدر به فيها .

تخیر ہوگی اس لئے کہ دلیل کی قوت سے آشنا
وہی ہوگا۔ جب حقیقت یہ ہے تو محال ہے کہ اصح
کا مقابل وہ ہو جسے حاوی میں اصح کہا، بلکہ اس کا
مقابل یہ ہے کہ (۱) مطلقاً تخیر ہوگی جب کہ
صحابین مخالف امام ہوں۔ جیسا کہ سراجیہ
میں مذکور قیل کہا گیا کا مفاد ہے۔
(۲) اور یہ کہ مطلقاً قولِ امام کی پابندی ہے
اگرچہ صاحبین ان کے مخالف اور مفتی صاحب
اجتہاد ہو۔ جیسا کہ یہ اس کلام کے اطلاق کا
مفاد ہے جسے سراجیہ کے اندر شروع میں ذکر کیا۔
[اس میں پہلے یہ کہا کہ فتری مطلقاً قولِ امام پر
سے بھریے لکھا: کہا گیا کہ جب امام ایک
جانب اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی
کو اختیار ہے۔ اس کے متصل یہ کہا کہ: اول
اصح ہے جب کہ مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو: آغاز
کلام سے پتا چلا کہ مجتہد غیر مجتہد سب کے لئے قولِ امام
کی پابندی ہے، درمیانی قول سے معلوم ہوا کہ
مخالفات صاحبین کی صورت میں سب کے لئے
تخیر ہے۔ آخر والی تصحیح سے معلوم ہوا کہ غیر مجتہد
کے لئے تو مطلقاً قولِ امام کی پابندی ہے اور مجتہد
کے لئے مخالفت صاحبین کی صورت میں اختیار

ہے (۱۲م)

جب ایسا ہے تو اول کو زیادہ ضبط والا کہہ کر

فلا وجه لترجيح الاول عليه بانه

فأول معنى وضحة عليه وعلى العلامة تن

فأول: تفضل على النهر وعلى الدر

اضبط۔

تصحیح حاوی پر اسے ترجیح دینے کا کوئی معنی نہیں
 [تصحیح حاوی اور تصحیح اول تو بعینہ ایک ہیں ۱۲] (۱۹ — ۲۱) حضرات مجلس طوطی دہلی و شامی
 نے کلام سرسراجیہ اور کلام حاوی میں تطبیق کے لئے
 یہ کہا کہ جس کے پاس مدرک و دلیل کی قوت سے
 آگاہی کی قدرت ہو وہ اپنے دریافت کردہ قوی
 قول پر فتویٰ دے گا ورنہ وہی ترتیب ہوگی۔
 شامی فرماتے ہیں: اس پر سرسراجیہ کی یہ جہارت
 دلالت کر رہی ہے، اور اول اصح ہے جب کہ
 مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو!۔

اقول فرق تعبیر کوئی معنوی اختلاف
 ہے سو میں کہ تطبیق دی جائے۔ الحاصل
 ان دونوں میں مقابلہ کا توہم بہت عجیب
 ہے اور اس سے زیادہ عجیب یہ کہ مدارش می
 شروع کتاب میں اسی پر متنبہ ہوئے پھر
 کتاب القضاء میں جا کر اس و ہم میں پڑ گئے۔
 تو پاکی اس ذات کے لئے جسے فراموشی و
 نسیان نہیں۔

وقد قال ح ط ش فی التوفیق
 بین ما فی السراجیة والحاوی
 ان من كان له قوة ادراك قوة
 المدرك يفتي بالقول القوي المدرك
 و الا فالترتيب اه۔ قال ش
 يدل عليه قول السراجیة والاول
 اصح اذا لم تكن الصفقة
 مجتهدا اه۔

اقول فرق التبعیر لایکون
 خلافا حتی یوفق و بالجمله فتوہم
 المقابلة بینہما اعجب و اعجب
 منہ ان العلامة ش متنبہ لہ
 فی صدر الکتاب ثم وقع فیہ
 فی کتاب القضاء فبیح من
 لاینبی۔

ف: معروضۃ علی العلامة ح و علی ط و علی ش۔

ف: معروضۃ علی ش۔

۴۹/۱	المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ	۴۹/۱	لے عاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار رسم مفتی	رد المختار
۴۸/۱	دار احیاء التراث العربی بیروت	۴۸/۱	۴۸/۱	۴۸/۱
"	"	"	"	"
"	"	"	"	"

ثالثا كذلك لا يعقل ما
 في جامع الفصولين فانه عين ما
 في الحاشية وانما نقله عنها بمرز
 خ وفيه تقييد التخيير بالمجتهد
 فالكل مرادوا ومرادوا واحدا و
 انما ينشؤ التوهم لاقصاير وقع
 في النقل عنه فانت نصه
 لومع ح رضي الله تعالى
 عنه احد صاحبيه ياخذ
 بقولهما ولو خالفنا صاحباه
 فلو كان اختلافهم بحسب الزمان ياخذ
 بقول صاحبيه وفي المزارعة والمعاصلة
 يختار قولهما لاجتماع المتأخرين وحيما
 عد اذ لك قيل يخير المجتهد وقيل
 ياخذ بقول ح رضي الله تعالى
 عنه اه فانكشفت الشبهة.

ورابعا هم من الصل
 دفع ما اوهبه عبارة المص
 من ان تصحیح الحادى اعتبار قوۃ
 ف: معروضه عليه.

ثالثا اسی طرح اس کا مقابل وہ
 بھی نہیں جو جامع الفصولین میں ہے اس لئے کہ
 اس کا کلام تو بعینہ وہی ہے جو حاشیہ کا ہے ،
 اسی سے "خ" کا مرادے کر نقل بھی کیا ہے ۔
 اس اختیار کو اس نے مقید کیا ہے کہ مفتی مجتہد ہو تو
 سب نے ایک موقف اختیار کیا ہے اور وہم اس
 اختیار سے پیدا ہوا ہے جو نقل میں واقع ہوا ہے ۔
 جامع کی عبارت اس طرح ہے :

(۲۲) اگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
 ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک ہوں
 تو ان ہی دونوں (امام اور وہ ایک صاحب)
 کے قول کر لے ۔ اور اگر صاحبین "ح" کے مخالف
 ہوں تو اگر ان مصرات کا اختلاف بلحاظ زمان ہے
 تو صاحبین کا قول لے ۔ اور مزارعت و معاصلت
 میں صاحبین ہی کا قول اختیار کرے کیوں کہ اسی
 پر اجماع متأخرین ہے ۔ ان صورتوں کے
 ماسوا میں ایک قول یہ ہے کہ مجتہد کو اختیار ہے
 اور ایک قول یہ ہے کہ امام ح رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ کا ہی قول لینا ہے ۔ اہ ۔ اس سے شبہ
 منکشف ہو گیا۔

رابعاً سب سے اہم اس دہم کہ
 دور کرنا ہے جو عبارت در مختار نے پیدا کیا کہ
 حادى کے نزدیک قوت دلیل کے اعتبار کو ارجح
 ف: تطفل على الدار۔

لے جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاۃ الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۵

المدرک مطلق لاقتضاراً من نفسه
 علی فصل واحد و لیس كذلك
 ففی الحادی القدسی متی کانت
 قول ابی یوسف و محمد موافق قوله
 لا یتحدی عنه الا فیما مست
 الیه القوریة و علم انه لو کان
 ابو حنیفة رأی ما سأدا لافق به
 و کذا اذا کانت احدهما معه فانت
 خالفاه فی الظاهر
 قال بعض المشائخ یاخذ
 بظاهر قوله و فتال
 بعضهم المفتی مخیر بینهما
 ان شاء افق بظاهر
 قوله و ان شاء افق
 بظاهر قوله و الاصح ان
 العبوة بقوة الدلیل

فهذا کما ترى عین ما
 فی الخاتمة لا یخالفا فی
 شیء فقد انزع قول الامام اذا وافقه

عنه المراد بانظاہر فی المواضع الاربعة
 ظاہر الروایة ۱۲ منه -

قرار دینا مطلقاً ہے یہ وہیم پیدا ہونے کی وجہ
 یہ ہے کہ در مختار میں عبارت عادی کے صرف
 ایک ٹکڑے پر اقتضار ہے۔ حقیقت یوں نہیں
 کیوں کہ عادی قدسی کی پوری عبارت یہ ہے،
 (۲۳) جب امام ابو یوسف و امام محمد کا قول
 قول امام کے موافق ہو تو اس سے تجاوز نہ کیا جائیگا
 مگر اس صورت میں جب کہ ضرورت در پیش ہو اور
 معلوم ہو کہ اگر امام ابو حنیفہ بھی اسے دیکھتے ہو
 بعد و ابوں نے دیکھا تو اسی پر فتویٰ دیتے۔
 یہی حکم اس وقت بھی ہے جب صاحبین میں سے
 کوئی ایک، امام کے ساتھ ہوں۔ اگر دونوں ہی حضرات
 ظاہر میں مخالف امام ہوں تو بعض مشائخ نے
 فرمایا کہ ظاہر قول امام کو لے۔ اور بعض مشائخ
 نے فرمایا کہ مفتی کو دونوں کا اختیار ہے۔ اگرچہ
 تو ظاہر قول امام پر فتویٰ دے اور چاہے تو ظاہر
 قول صاحبین پر فتویٰ دے۔ اور اصح یہ ہے
 کہ اعتبار وقت دلیل کا ہے اور (عادی قدسی)
 دیکھتے بعینہ وہی بات ہے جو خاتیر میں ہے
 ذرا بھی اس کے خلاف نہیں۔ کیوں کہ عادی
 نے بھی امام کے ساتھ موافقت صاحبین کی صورت

عہ چاروں جگہ لفظ "ظاہر" سے مراد
 ظاہر الروایہ ہے ۱۲ منہ (ت)

صاحباہ وکذا اذا وافقہ احدہما
وانما جعل الاصح العبرة بقسوة
الدلیل اذا خالفہ مع الاملکما
اوہمہ الدس ومعلوم ان معرفۃ
قوة الدلیل وضعفہ خاص باہل
النظر فوافق تقدیم الخانیۃ
تخیر المجتہد لانه انما
يقدم الاظهر الاشہر۔

وقد علمت ان لا خلاف
فاحفظ هذا كيلا تزل في فهم
مراده حيث ينقلون عنه
القطعة الاخيرة فقط ان العبرة
بقوة الدلیل فتكلمت عمومه
للصور وانما هو ف ما اذا
خالفہ معا

وہا مثل ما وقع ہہنا فی نقل ش کلام
جامع الفصولین و نقل الدس
کلام الحاوی وما وقع فیہما من

میں، اسی طرح صرف ایک صاحب کی موافقت
کی صورت میں قول امام ہی کا اتباع لازم کیلئے ہے۔
اور قوت دلیل کے اعتبار کو اصح صرف اُس صورت
میں قرار دیا ہے جب دونوں ہی حضرات، مخالفین
امام ہوں۔ اسے مطلقاً اصح نہ ٹھہرا جیسا کہ
جہارت درمختار نے وہم پیدا کیا۔ اور معلوم ہے
کہ دلیل کی قوت اور ضعف کی معرفت عام اہل نظر
کا مصر ہے۔ تو یہ تصحیح اسی کے مطابق ہے
جسے خانیہ نے مقدم رکھا۔ یعنی یہ کہ مجتہد کے لئے
تخیر ہے۔ اس لئے کہ قاضی خاں اسی کو
مقدم کرتے ہیں جو اظہر و اشہر ہو۔

معلوم ہو چکا کہ دونوں میں کوئی منسرق و
اختلاف نہیں تو اسے یاد رکھنا چاہئے تاکہ مراد
حاوی سمجھنے میں لغزش نہ ہو کیوں کہ لوگ ان کا صرف
آخری کڑا اعتبار قوت دلیل کا ہے نقل کرتے
ہیں جس سے خیال ہوتا ہے کہ ان کا یہ حکم تمام
ہی صورتوں کے لئے ہے۔ حالانکہ یہ صرف اُس
صورت کے لئے ہے جب دونوں حضرات مخالفین
امام ہوں۔

یہاں علامہ شامی سے کلام جامع الفصولین
کی نقل میں اور صاحب در سے کلام حاوی کی نقل
میں جو واقع ہوا دونوں میں جو اختصار نقل در آیا

۱۔ ما قدم الامام قاضی خان فهو الاظهر الاشہر۔

۲۔ لیجتنب النقل بالواسطة مہما امکن۔

ایسی ہی باتوں کے پیش نظر متعین ہو جاتا ہے کہ منقول عنہ کے موجود اور دستیاب ہونے کی صورت میں اس کی مراجعت کر لینا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات منکشف ہو جو نقل سے ظاہر نہیں ہوتی اگرچہ نقل کرنے والے ثقہ و معتمد ہیں۔ اسے یاد رکھیں۔

(۲۴) شرح عقود میں عادی کا کلام نقل کرنے کے بعد تحریر ہے، حاصل یہ کہ جب امام ابوحنیفہ اور صاحبین کسی حکم پر متفق ہوں تو اس سے مدد لے جاتا نہیں۔ مگر ضرورت کے سبب۔ یوں ہی جب صاحبین میں سے ایک ان کے موافق ہو گیا لیکن جب امام کسی حکم میں صاحبین سے علیحدہ ہوں اور دونوں حضرات اس میں امام کے برخلاف ہوں تو اگر یہ بھی الگ الگ ایک ایک حکم رکھتے ہوں اس طرح کہ کسی ایک بات پر متفق نہ ہوں تو بھی ظاہر یہی ہے کہ ترجیح قول امام کو ہوگی۔

اقول یہ ایک نفیس نکتہ ہے جس کا

افادہ فرمایا اور ان کے ایسے عمدہ افادات بہت ہیں۔ اور حقیقت وہی ہے جو انہوں نے بیان کی۔ اس لئے کہ خانیہ میں ہے، صاحبین کا قول لیا جائے گا، اور یہ بھی ہے صاحبین

الاقصا المخل يتعين انه ينبغي مراجعة النقول عنه اذا وجد قريبا ظهر شئ لا يظهر مما نقل وان كانت النقلة ثقات معتمدين فاحفظ۔

وقد قال في شرح العقود بعد نقله ما في الحادي (الحاصل) انه اذا اتفق ابو حنيفة وصاحبا على جواب لم يجوز العدول عنه بالضرورة وكذا اذا وافقه احدهما واما اذا انفرد عنهما بعد ارب وخالفاه فيه فانت انفرد بكل منهما بجواب ايضا بات لم يتفقا على شئ واحد فالظاهر ترجيح قوله ايضا۔

اقول وھذا نعیۃ افادھا

وكل له من فوائد اجادھا والامر كما قال لقول الخانية ياخذ بقول صاحبیه و

فمن الترجیح لقول الامام ای بلا خلاف اذا خالفوا تخالفا۔

قولہا یختار قولہما و قول السراجیۃ
وغیرہا و صاحبہ فی جانب ۔

قال و اما اذا خالفنا و اتفقا
على جواب واحد حق صار هو
فی جانب و هما فـ جانب فقیل
یترجمہ قولہ ایضا و هذا قول
الامام عبد اللہ بن المبارک و قیل
یتخیر المفتی و قول السراجیۃ و
الاول اصح اذا لم یکن المفتی
مجتہدا ایفید اختیار القول
الثانی ان کان المفتی مجتہدا
و معنی تخیرہ انہ ینظر فی الدلیل
فیفتی بما ینظر لہ و لا یتعیر
علیہ قول الامام و هذا
الذی صححہ فی الحاوی
ایضا بقولہ و الاصح ان العبارة
لقوة الدلیل لان اعتبار قوة

کا قول اختیار ہوگا اور سراجیہ وغیرہ میں ہے
کہ اور صاحبین ایک طرف ہوں گے

علامہ شامی آگے لکھتے ہیں لیکن جب
صاحبین امام کے مخالف ہوں اور باہم ایک حکم پر
متفق ہوں یہاں تک کہ امام ایک طرف ہو گئے ہوں
اور صاحبین ایک طرف۔ تو کہا گیا کہ اس صورت
میں قول امام کو ہی ترجیح ہوگی۔ یہ امام عبد اللہ
بن مبارک کا قول ہے۔ اور کہا گیا کہ مفتی کو
اختیار ہوگا۔ اور سراجیہ کا کلام اُصول اصح
ہے جب کہ مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو۔ یہ مفتی
کے مجتہد ہونے کی صورت میں قول ثانی کی ترجیح کا
افادہ کر رہا ہے۔ تخیر مفتی کا معنی یہ ہے کہ
دلیل میں نظر کرنے کے بعد اس پر جو مشکوک ہو
اسی پر وہ فتویٰ دے گا اور اس پر قول امام کی
پابندی متعین نہ ہوگی اسی کی حاوی میں تصحیح کی ہے
ان الفاظ سے اُصول یہ ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا
ہوگا۔ اس لئے کہ قوت دلیل کا اعتبار

لہ غائیہ کی دونوں عبارت اس صورت سے مقید ہے جب صاحبین ہم راہ ہونے کے ساتھ
خلافت امام ہوں اور ان کا یہ اختلاف اسباب سستہ کی صورتوں میں سے تغیر زمان و عوف کی حالت میں
ہو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اسباب سستہ کی بنا پر اختلاف نہ ہو اور صاحبین مخالف امام ہونے
کے ساتھ ایک راہ پر نہ ہوں تو ان کا قول نہیں لیا جائے گا بلکہ قول امام کا اتباع ہوگا۔ اسی طرح
سراجیہ وغیرہ میں تخیر مفتی کا حکم اُسی صورت میں مذکور ہے جب صاحبین ایک ساتھ ہوں۔ اس کا
مفہوم یہ ہے کہ اگر مخالفت امام کے ساتھ ان میں باہم اتفاق نہ ہو تو مفتی کے لئے تخیر نہیں بلکہ قول امام
ہی کی پابندی ہے ۱۲ محمد احمد مصباحی

الاخیر بقولہ لکن قد ضاعت ما
فقل عن الامام من قوله
اذ اصح الحديث فهو مذہبی محمول
عن مالہ یخرج عن المذہب
بالکلیۃ کما ظهر لنا من التقریر
السابق ومقتضاء جواز اتباع الدلیل و
ان خالف ما وافقه علیہ احد
صاحبیہ ، ولہذا قال فی البحر
عن التتارخانیۃ اذا کانت الامام
فی جانب وھما فی جانب خیر المنفق
وامن کان احدهما مع الامام اخذ
بقولہما الا اذا اختلفا المشائخ
عن قول الاخر فیتبعہم کما
اختلف الفقیہ ابو الیثم
قولہما فرف مسائل
انتمی

فرمایا ہے ، لیکن ہم پہلے بتا چکے کہ امام سے نقل شدہ
ان کا ارشاد ”جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب
ہے“ اس پر محمول ہے جو مذہب سے ہلکی خارج
نہ ہو۔ جیسا کہ تقریر سابق سے ہم پر منکشف ہوا۔
اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ دلیل کا اتباع اُس صورت
میں بھی جائز ہے جب دلیل امام کے ایسے قول کے
مخالف ہو جس پر صاحبین میں سے کوئی ایک،
حضرت امام کے موافق ہوں۔ اسی لئے بحر میں
تآثر غایت سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب
امام ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف
تو مفتی کو اختیار ہے۔ اور اگر صاحبین میں سے
ایک، امام کے ساتھ ہوں تو ان ہی دونوں حضرات
(امام اور ایک صاحب) کا قول لیا جائے گا
مگر جب کہ قول دیگر پر مشائخ کا اتفاق ہو جائے
تو حضرات مشائخ کا اتباع ہوگا۔ جیسا کہ فقہ
ابواللیث نے چند مسائل میں امام نہ فرما کر
اختیار کیا ہے۔ انتہی۔

وقال فی رسالۃ ”رفع الغشاء
فی وقت العصر والعشاء“ لا یوجب
قول صاحبیہ او احدهما عن قولہ
الا لوجب وهو اما ضعف دلیل
الامام واما للضرورة والتعامل
کترجیح قولہما فی المزارعة والمعامدة

(۲۵) علامہ شامی اپنے رسالہ ”رفع الغشاء
فی وقت العصر والعشاء“ میں رقم طراز ہیں،
صاحبین یا ایک کے قول کو قول امام پر
ترجیح نہ ہوگی مگر کسی موجب کی وجہ سے۔ وہ
یا تو دلیل امام کا ضعف ہے، یا ضرورت اور
تعامل جیسے مزارعت و معاملات میں قول صاحبین

واما لان خلا فهماله بسبب اختلاف
العصر والزمان وانه لو شاهد
ما وقع في عصرهما لوافقهما لعدم
القضاء بلفظ هر العدا لة (ويوافق)
ذلك ما قاله العلامة المحقق
الشيخ قاسم في تصحيحه
فذكر ما قدمنا من كلامه في
توضيح مرامه وفيه ان الاخذ
بقوله الا في مسائل يسيرة
اختار والفتوى فيها على
قولهما اذ قول احدهما
وان كانت الاخر مع
الامام آه وهو محل
استشادة.

کی ترجیح، یا یہ ہے کہ صاحبین کی مخالفت عصر زمان
کے اختلاف کے باعث ہے اگر امام بھی اس کا
مشاہدہ کرتے جو صاحبین کے دور میں دونا ہوا
تو ان کی موافقت ہی کرتے۔ جیسے ظاہر
عدالت پر فیصلہ کرنے کا مسئلہ۔ اسی کے
مطابق وہ بھی ہے جو علامہ محقق شیخ قاسم نے
اپنی تصحیح میں فرمایا اس کے بعد
ان کا وہ کلام ذکر کیا ہے جو ہم مقصود کلام کی توضیح
میں پہلے نقل کر آئے ہیں، اس میں یہ عبارت
بھی ہے، ہر جگہ امام ہی کا قول لیا گیا ہے مگر
صرف چند مسائل میں جن میں ان حضرات نے
صاحبین کے قول پر، یا صاحبین میں سے کسی ایک
کے قول پر اگرچہ دوسرے صاحب، امام کے
ساتھ ہوں۔ فتویٰ اختیار کیا ہے۔ یہی
عصر یہاں علامہ شامی کا محل استشاد ہے
(کلام بالا سے مطابقت کے ثبوت میں یہی عبارت
وہ پیش کرنا چاہتے ہیں)۔

اقول یہ معلوم ہو چکا کہ علامہ قاسم
کا کلام مذکور اس صورت سے متعلق ہے جو
ان سبھی حضرات کے قول صوری کے برخلاف ہو،
کسی ایک کے برخلاف ہونا تو درکنار۔

اقول قد علمت ان كلام
العلامة قاسم فيما يخالف
فيه قولهم الصوري جميعا
فضلا عما اذا خالف احدهم

فت، معروضة على العلامة ش.

وَكُنَّا كَلَامَ التَّائِيخَانِيَةِ فَإِنَّهُ إِنَّمَا
اسْتَشْنَى مَا أَحْمَرُ فِيهِ الْمَرْجُوحُونَ عَلَى
خِلَافِ الْأَمَامِ وَمَنْ مَعَهُ مِنْ صَاحِبِيهِ
وَلَا يُوجِبُ قَدْ الْإِقْبَ أَحَدُ الْوُجُوهِ
الْمُسْتَنَةِ وَح لَا يَتَقَيَّدُ بِوُضُوءَاتِ
أَحَدٍ مِمَّنِ الْأَشْمَةِ الثَّلَاثَةِ رَضِيَ اللَّهُ
تَعَالَى عَنْهُمْ الْأَشْرَفُ الْحَبِ ذَكَرَ
اِخْتِيَارَ قَوْلِ مَنْ فَرَّ.

أَيُّ أَحَدٍ شَاءَ أَصَحَّ الْحَدِيثِ
وَضَعُفَ الدَّلِيلِ فَشَامِلَاتِ
مَا يَخْلُفُ الثَّلَاثَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى
عَنْهُمْ لَا تَرَى أَنَّ الْأَمَامَ
الطَّحَاوِيَّ عَالِفَهُمْ حَيْثُ فِي عِدَّةِ
مَسَائِلَ مِنْهَا تَحْرِيمُ الضَّغَبِ وَ
الْمَحَقِّقِ حَيْثُ أَطْلَقَ فِي تَحْرِيمِ
حَلِيلَةِ الْأَبِ وَالْأُمِّ مَرْصَاعًا فَكَيْفَ
يُخَصَّرُ الْكَلَامُ بِمَا أَذْوَاقُهُ أَحَدُهُ
دُونَ الْآخَرِ.

یہی حال کلام تائخانیہ کا بھی ہے۔ کیوں کہ
اس میں استثنائاً اس صورت کا ہے جس میں امام
اور امام کے ساتھ صاحبین میں جو ہیں دونوں کی
مخالفت پر محکم کا اجماع ہو۔ اور اس صورت
کا سوا ان چھ صورتوں کے کبھی وجود ہی نہ ہو گا۔
اس صورت کے لئے یہ قید بھی نہیں کہ قیوں ائمہ
میں سے کسی ایک کے موافق ہی ہو۔ دیکھ لیجئے
ایسی صورت میں قیوں ائمہ کو چھوڑ کر امام ذوقا قوں
اختیار کرنے کا ذکر گزر چکا ہے۔

اب رہا اذ اصبح الحديث اور ضعیف
دلیل کا معاملہ تو یہ دونوں بھی اُس صورت کو شامل
ہیں جو قیوں ہی ائمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کے
رحلات سے۔ دیکھئے امام طحاوی نے متعدد
مسائل میں ان سبھی حضرات کی مخالفت کی ہے
ان ہی میں سے حرمت ضرب (ایک جانور) کا
مسئلہ ہے۔ اور محقق علی بن طلاق نے رضاعی
باپ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت میں سب
کی مخالفت کی ہے۔ تو کلام اسی صورت سے خاص
کیوں رکھا جائے جس میں صاحبین میں سے
کوئی ایک موافق امام ہوں؟

- ۱۔ معروضۃ علیہ
- ۲۔ معروضۃ علیہ
- ۳۔ معروضۃ علیہ
- ۴۔ معروضۃ علیہ
- ۵۔ معروضۃ علیہ

فان قلت اذا وافقاه فلا خلاف

عندنا انت المجتهد في مذهبه
وليسعه مخالفتهم فلاجل
هذا الاجماع يخص الحديثان
بما اذا حاله احد هما۔

قلت كذا الخلاف فيه

عندنا اذا كانت معه احب
صاحبه رضى الله تعالى عنهم
كما اعترفتم به تصحيحا۔

اگر یہ کہتے کہ جب صاحبین موافقِ امام
ہوں تو ہمارے یہاں اس بارے میں کوئی اختلاف
نہیں کہ مجتہد فی المذہب کے لئے ان حضرات کی
مخالفت روا نہیں۔ اسی اجماع کی وجہ سے
اذا صدق الحديث اور ضعف دليل کے مسائل
کو اس صورت سے خاص رکھا جائے گا جس میں
صاحبین میں سے کوئی ایک مخالفِ امام ہوں۔

تو میں کہوں گا اسی طرح ہمارے
یہاں اس بارے میں اس صورت میں بھی کوئی
اختلاف نہیں جب صاحبین میں سے کوئی ایک
موافقِ امام ہوں جیسا کہ آپ نے صراحتاً اس کا
اعتراف کیا۔

(الحاصل تفصیل بالا سے یہی ثابت ہو کر کہ اذا صدق الحديث اور ضعف دليل والی صورتوں میں مجتہد کے لئے
جواز ہے کہ وہ اپنی دستیابِ حدیث اور اپنی نظر میں قوی دلیل کی رو سے عینوں امر کے خلاف جاسکتا ہے۔
لیکن اس تحقیق پر یہ اعتراض ضرور پڑے گا کہ اس کے لئے تینوں حضرات کی مخالفت کا حوازی کیسے ہو سکتا
ہے جبکہ علمائے بالاتفاق یہ قاعدہ رکھا ہے کہ جب تینوں امر متفق ہوں یا امام کے ساتھ صاحبین میں سے
کوئی ایک متفق ہوں تو ان کے اتباع سے قدم باہر نکلنے کی گنجائش نہیں۔ یہ اجماع مطلقاً مجتہد اور
غیر مجتہد دونوں کے حق میں ہے۔ اختلاف ہے تو صرف اس صورت میں جب کہ صاحبین باہم متفق اور
امام کے مخالف ہوں۔ اگر وہ تحقیق درست ہے تو اس اجماعی مخالفت کا معنی کیا ہے؟ اور اس
کچھ ہوتے تضاد کا حل کیا ہے؟۔ اسی کامل رقم کرتے ہوئے امام احمد رضا علیہ الرحمہ آگے فرماتے
ہیں ۱۲ مترجم [

فالاوجه عندى ان

معنى نهى المجتهد عنه
نهى المقلد ان يتبعه
فيه نهىا وفاقيا بخلاف

تو بہتر جواب اور حل میرے نزدیک
یہ ہے کہ اس مخالفت سے مجتہد کی مخالفت کا
مطلب مقلد کو اس بارے میں مجتہدِ مخالفت
کی متابعت سے باز رکھنا ہے [یعنی الغلط

ما اذا خالفاه فانت فيه قیلا
 انت التخییر عام کما سبق
 فلأنت یتبع مرجعها
 مرجع قولهما ادلب وربما
 یلزم الیه قول المحقق
 حیث اطلق فی مسألة
 الجهر بالتأمین لو كانت
 المف هذا شیء لو فقت
 بان روایة الخفض
 یراد بهما عدم القصر
 العین و روایة الجهر
 بمعنی قولها فی نیر
 الصوت وذیلہ ^{لله} الخ
 فلم یمتنع عن ابداء
 ما عن له و علم انه
 لا یتبع علیہ فقال لو
 كانت الشئ ، والله
 تعالی اعلم۔

تو یہ ہیں کہ مجتہد مخالفت نہ کرے مگر مقصود یہ ہے
 کہ مقلد ایسی مخالفت کی پیروی نہ کرے۔ رہا
 مجتہد تو جب اس کے خیال میں ائمہ ثلاثہ کے خلاف
 حدیث صحیح موجود ہے، یا ان کے مذہب کے برخلاف
 قوی دلیل عیاں ہے تو اسے اپنے اجتہاد کو کام
 میں لانے اور ائمہ کے خلاف جانے سے روکا
 نہیں جاسکتا۔ اگر اُسے روکا گیا ہے تو اس سے
 مقصود مقلد ہے کہ وہ تینوں یا ان دو اماموں کی
 مخالفت کی صورت میں اُس مجتہد کی پیروی نہ کرے
 ۱۲ مترجم [بخلاف اس صورت کے جس میں
 صاحبین باہم متفق اور امام کے مخالف ہوں کہ
 اس میں مقلد کے لئے مجتہد مخالفت کی پیروی سے
 باز جماع ممانعت نہیں] کیونکہ اس صورت میں
 ایک قول یہ بھی ہے کہ تمخیر عام ہے۔ یعنی مجتہد
 وغیر مجتہد ہر ایک کو مخالفت کا اختیار ہے جیسا
 کہ گزرا، تو اگر مقلد کسی ایسے مرجع کی پیروی کر لے
 جس نے قول صاحبین کو ترجیح دی ہو تو بدرجہ
 اولیٰ اس کا اُسے اختیار ہوگا۔ اس کا کچھ

اشارہ آئین بالجہر کے مسئلے میں محقق علی الاطلاق کے اس کلام میں بھی جھلکتا ہے، وہ فرماتے ہیں اگر
 اس بارے میں مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں یوں تطبیق دیتا کہ آہستہ کچھنے والی روایت سے مراد یہ ہے کہ
 ف: قائمہ امام محقق علی الاطلاق نے باوصف مرتبہ اجتہاد مسئلہ جہر آئین میں مخالفت مذہب کی
 جرأت نہ کی اور فرمایا مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں یوں دونوں قولوں میں اتفاق کرتا کہ نہ زور سے ہو نہ بالکل
 آہستہ۔ مسلمانوں! انصاف۔ ان اکابر کی تو یہ کیفیت اور جابلان بے تمیز کہ ان اکابر کا کلام بھی نہ کچھ سکیں
 وہ امام کے مقابلہ کو تیار۔

کریخت آواز نہ ہو اور جہر والی روایت کا معنی یہ ہے کہ آواز کے انداز اور آواز کے ذیل میں ادا کرے۔
یہاں محقق علیہ الرحمۃ اپنی رائے کے اظہار سے باز نہ رہے۔ اور انھیں معلوم تھا کہ اس بارے میں
ان کی متابعت نہ ہوگی اس لیے یہ بھی فرمایا کہ اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وہی النہی علیٰ ہذا الاسلوب غیر مستنکرات۔ یتوجہ الی احد
والمقصود بہ غیرہ قال تعالیٰ فلا
یصدنک عنہا من لایؤمن بہا
وقال عز وجل ولا یتخفناک
الذین لایوقنونؕ اے
لا تقبل صدہ ولا تنفحل
باستخفافہم ، واللہ تعالیٰ
اعلم۔

اور اس طرز پر نہی آتا کہ تو جب کسی کی جانب
ہو اور مقصود کوئی اور ہو، کوئی اجنبی و نامعروف
چیز نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے،
”تو ہرگز تجھے اس کے (قیامت کے) ملنے سے
وہ نہ روکے جو اس پر ایمان نہیں لاتا۔“ اور
رب عز وجل کا فرمان ہے: ”اور انھیں سبک نہ کر دیں
وہ جو یقین نہیں رکھتے۔“ پہلی آیت میں کلمہ نہیں
ان کے لئے ہے جو ایمان نہیں رکھتے مگر مقصود
یہ ہے کہ ان کی رکاوٹ تم قبول نہ کرو۔ اسی طرح
دوسری آیت میں ہے کہ وہ سبک نہ کریں اور
مقصود یہ ہے کہ تم ان کے استخفاف کا اثر
نہ لو۔

وفی کتاب التجنیس و المزید
للإمام الأجل صاحب الہدایۃ
ثم ط من اوقات الصلاة الواجب
عندی ان یفتی بقول ابی حنیفۃ علی کل حال۔
(۲۷) امام بزرگ صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس
والمزید پھر غلطادی اوقات الصلاة میں ہے
میرے نزدیک واجب یہ ہے کہ ہر حال میں
امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔

ہذا قدینہی مزید والمقصود نہی غیرہ۔

سہ القرآن الکریم ۱۶/۲۰

سہ ۶۰/۳۰

سہ حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار بحوالہ التجنیس کتاب الصلوۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱۴۵/۱

وفي ط منها قد تعقب نوح افندي
ما ذكر في الدرر من ان الفتوى
على قولهما (اي في الشفق)
بانه لا يجوز الاعتماد عليه لانه
لا يرجح قولهما على قوله
لا يوجب من ضعف دليل او
ضرورة او تعامل او اختلاف

زمان آء۔ ۲۹

ومرر بالمحقق حيث اطلق
على المشائخ فتؤيدهم بقولهما
في مواضع من كتابه وانه قال لا يعدل
عن قوله الا لضعف دليله آء۔

وقد نقه شب اقره كالبهر
اقول ولم يثبت ما سواه لما
حدثت امن ذلك عين العمل
بقول الامام لا عدول
عنه فمن استثناه

(۲۸) لمطاوی اوقات الصلوة میں یہ بھی ہے،
در میں جو ذکر کیا ہے کہ شفق کے بارے میں فتویٰ
قول صاحبین پر ہے، اس پر علامہ نوح افندی
نے یہ تعاقب کیا ہے کہ اس پر اعتماد جائز نہیں
اس لئے کہ قول امام پر قول صاحبین کو ترجیح نہیں
دی جاسکتی مگر ضعف دلیل، یا ضرورت، یا
تعامل، یا اختلاف زمان جیسے کسی موجب کے
سبب۔ ۳۱۔

(۲۹) یہ گزر چکا کہ محقق علی الاطلاق نے قول
صاحبین پر افتاء کے باعث مشائخ پر اپنی
کتاب کے متعدد مقامات پر رد کیا ہے اور انھوں
نے فرمایا ہے کہ، قول امام سے عدول نہ ہو گا سوا
اس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو۔ آء۔
(۳۰-۳۱) اسے علامہ شامی نے بھی تحریر کی
طرح نقل کیا ہے اور برقرار رکھی ہے۔
اقول محقق علی الاطلاق نے ضعف دلیل کی
صورت کے علاوہ اور کسی صورت کا استثناء نہ کیا
اس کی وجہ معلوم ہو چکی ہے کہ اور صورتوں میں

وال مسئلہ درباره وقت عشا جو قول صاحبین پر بعض نے فتویٰ دیا علامہ نوح نے فرمایا اس پر
اعتماد جائز نہیں۔

وال توفیق نفیس من المصنفین عبارات الاثمة فی تقديم قول الامام المختلعة ظاهراً۔

لے حاشیہ المطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوة المکتبۃ المدینہ کوئٹہ ۱/ ۱۵۵
لے شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۴

كالخائبة والتصحيح وجامع
الفصوليت والبحر والخير
ورفع الغشاء وفوح وغيرهم
فطر الح الصورة ومن ترك
فطر الح المعوقان استثنى ضعف
الدليل كالمحقق فنظر الح
المجتهد وان لم يستثن شيئاً
كالاصحاب الهداية والامام
الاقدم عبد الله بن المبارك
فقوله ما شئت على اسسالة
في حق المقلد.

فظهر والله الحمد ان الح
انما يرمون من قوس واحدة
ويروون جميعاً ان المقلد
ليس له الا اتباع الامام في قوله
الصوري ان لم يخالفه قوله
الضروري والافضي ضروري.

وفي شرح العقود آيت في
بعض كتب المتأخرين فقلاعت
ايضاح الاستدلال على ابطال الاستبدال
لقاضي القضاة شمس الدين المحمدي احد
شراح الهداية ان صدر الدين سيدي
قال ان هذه الفتاوى هي احتياطات
المشائخ فلا تعارض في كتب المذهب.

در اصل بعينه قول امام پر عمل ہے جس سے عدول
نہیں ہو سکتا۔ تو جن حضرات نے استثناء کیا ہے
جیسے خاتمہ، تصحیح، جامع الفصولین، بحر، خیر،
رفع الغشاء، علامہ فوح وغیرہم۔ انہوں نے
ظاہری صورت پر نظر کی ہے۔ اور جنہوں نے
استثناء نہیں کیا ہے انہوں نے معنی کا ہی غ
کیا ہے۔ پھر اگر ضعف دلیل کا استثناء کر دیا۔
جیسے محقق علی الاطلاق نے۔ تو اس میں مجتہد کا
اعتبار کیا ہے۔ اور اگر کچھ بھی استثناء نہ کیا۔
جیسے امام صاحب ہدایہ اور امام اقدم عبد اللہ
بن مبارک۔ تو یہ مقلد کے حق میں حکم اطلاق پر
جاری ہے۔

بحمدہ تعالیٰ اس تفصیل و تطبیق سے روشن
ہوا کہ سبھی حضرات ایک ہی کمان سے نشانہ
لگا رہے ہیں اور سب کا یہ مقصود ہے کہ مقلد کے لئے
صرف اتباع امام کا حکم ہے۔ یہ اتباع امام کے
قول ضروری کا ہو گا اگر قول ضروری اس کے خلاف
نہ ہو، ورنہ قول ضروری کا اتباع ہو گا۔

(۳۲-۳۶) شرح عقود میں ہے، میں نے
بعض کتب متأخرین میں قاضی القضاة شمس الدین
حزری شارح ہدایہ کی کتاب فیض الالہ علی ابطال التنبہ
سے منقول یہ دیکھا کہ صدر الدین سلیمان نے فرمایا،
ان فتاویٰ کی حیثیت یہی ہے کہ یہ مشائخ کی ترجیحات
اور ان کے اختیار کردہ اقوال و احکام ہیں تو یہ
کتب مذہب کے مقابل نہیں ہو سکتے۔

فرماتے ہیں کہ یہی بات ہمارے دوسرے^{۳۶}
شیوخ بھی فرماتے تھے اور میں بھی اسی کا قائل
ہوں۔ ۱۔

(۳۸۔ ۳۷) خیر یہ پھر شامی کا کلام گزر چکا
کہ ہمارے نزدیک مقرر اور طے شدہ یہی ہے کہ
ضرورت ضرورت کے سوا فتویٰ اور عمل امام اعظم
ہی کے قول پر ہو گا۔ اگرچہ مشائخ تصریح فرمائیں
کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

(۳۹۔ ۴۰) بجز پھر شامی کا یہ کلام بھی گزر چکا
کہ: "قول امام پر ہی افتاء واجب ہے اگرچہ
یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا ماخذ اور دلیل کیا ہے۔"
(۴۱۔ ۴۲) رد المحتار میں بجز سے نقل ہے،
قول امام سے قول صاحبین کی جانب۔ ضعف
دلیل یا قول امام کے خلاف ضرورت مزارعت
جیسے تعامل کی ضرورت کے سوا۔ عدولی نہ ہو گا
اگرچہ مشائخ کی صراحت یہ ہو کہ فتویٰ صاحبین کے
قول پر ہے۔ ۱۔ علامہ شامی نے فتح الخالق
میں بھی اس کلام بجز کو اسی طرح برقرار رکھا ہے۔

قال دکن اکان يقول غير
من مشائخنا و به
اقول له۔

وتقدم قول الحثريه شوش
المقرر عندنا انه لا يعتق ولا يعمل
الا بقول الامام الاعظم الا لضرورة
وان صرح المشائخ ان الفتوى
على قولهم۔

وايضاً قول البحر ثم شجب
الافتاء بقول الامام وان لم
يعلم من اين قال له۔

وفي رد المحتار قد قال في البحر
لا يعدل عن قول الامام الى قولهم
او قول احدهما الا لضرورة من
ضعف دليل او تعامل بخلافه
كالنزاع وان صرح المشائخ
بامت الفتوى على قولهم له وهكذا
اقره ف منحة الخالق۔

- ۱ شرح عقود رسم الفتحة رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۳۶/۱
۲ رد المحتار مطلب اذا تعارض التقيص دار احياء التراث العربی بیروت ۲۹/۱
۳ الفتاوی الخیرية کتاب الشهادات دار المعرفۃ بیروت ۲۳/۲
۴ البحر الرائق کتاب القضاء فصل يجوز تعلیه من شار الا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۹
۵ رد المحتار مطلب اذا تعارض التقيص دار احياء التراث العربی بیروت ۴۹/۱
۶ رد المحتار کتاب الصلوة ۲۴۰/۱

وفیہ من السکاح قبیل الولی
فی مسألة دعوى النکاح منه او منها
ببینة الزور وقضاء القاضی
بها عند قول الدر تحلل له
خلاف الهمما وفي الشرنبلالية
عن المواهب وبقولهم
يفتق مائة قال الکمال
قول الامام اوجبہ، قلت
وحیث كانت الاوجه فلا
يعدل عنه لما تقر
انه لا يعدل عن قول
الامام الا لضرورة او ضعف
دلیله کما اوضحناه فی مہرۃ رسم
المفتی وشرحہا ۱۰

وفیہ من ہبة المشاع حیث
علمت انه ظاہر الروایة
ونصب علیہ محمد وروایة
عن ابی حنیفة ظہر انه
الذی علیہ العمل وان صرح
بان المفتی بہ خلافہ ۱۰

هذه نصوص العلماء ورحمہم اللہ

(۳۴) در مختار کتاب النکاح میں باب الولی
سے ذرا پہلے یہ مسئلہ ہے کہ مرد یا عورت نے
دعویٰ کیا کہ اس سے میرا نکاح ہو چکا ہے اس
دعویٰ پر جوٹے گواہ بھی پیش کر دے اور قاضی
نے ثبوت نکاح کا فیصلہ بھی کر دیا تو عورت اس
مرد کے لئے حلال ہو جائے گی اور صاحبین کے قول
پر حلال نہ ہوگی۔ شرنبلالیہ میں مواہب کے حوالے
سے یہ لکھا ہے کہ صاحبین ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔
اس کے تحت رد المحتار میں یہ کلام ہے، کمال نے
فرمایا، قول امام اوجبہ (بہتر و با دلیل ہے)۔
میں کہتا ہوں جب قول امام اوجبہ ہے تو اس سے
عدول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ امر طے شدہ ہے کہ حضرت
یا قول امام کی دلیل صیغہ ہونے کے سوا اور کسی حال
میں قول امام سے عدول نہ ہوگا جیسا کہ منظرہ درمہ مفتی
اور اس کی شرح میں ہم واضح کر چکے ہیں ۱۰

(۳۵) اسی (رد المحتار) میں ہیبة مشاع کے
بیان میں ہے، جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہی ظاہر ازوایہ
ہے، اسی پر امام محمد کا نص ہے اور اسی کو ان
حضرات نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے
تو ظاہر ہو گیا کہ نقل اسی پر ہوگا اگرچہ یہ صراحت
کی گئی ہو کہ مفتی بہ اس کے خلاف ہے ۱۰

یہ ہیں علماء کے نصوص اور ان کی تصریحات

۱۹۰/۱	مطبع مجتہدانی دہلی	فصل فی المہرات	سۃ الدر المختار کتاب النکاح
۲۹۴/۲	دار احیاء التراث العربی بیروت	فصل فی المہرات	سۃ رد المحتار کتاب النکاح
۵۱۱/۴	۔۔۔۔۔	۔۔۔۔۔	سۃ رد المحتار کتاب البہر

اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے طفیل ہم پر بھی رحمت فرمائے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ تمام نصوص کلام بکر کے موافق ہیں اور میرے علم میں کسی نے بھی اس پر کوئی تاقبہ کیا، سوا دو متاخر عالموں کے، دونوں حضرات میں سے ہر ایک نے عیب بھی لگایا اور رجوع بھی کیا۔ انکار بھی کیا اور اقرار بھی۔ مفارقت بھی کی اور افقت بھی۔ مخالفت بھی اور موافقت بھی۔ یہ ہیں علماء غیر الدین دلی اور سید امین الدین شامی رحمہما اللہ تعالیٰ۔ اور کسی مضطرب کلام کا یوں ہی کوئی اعتبار نہیں۔

یہ بھی معلوم ہو چکا کہ اس مسئلہ کی سات صورتوں میں کوئی نزاع نہیں۔ ایک ضعیف اختلاف صرف آٹھویں صورت میں آیا ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ صاحبین یا ہم ایک قول پر متفق ہوتے ہوئے امام کے خلاف ہوں اور مزاحمین دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح پر متفق نہ ہوں، پس اسی صورت میں ایک ضعیف قول آیا ہے جس کے قائل کا پتا نہیں، بلکہ اس کے وجود میں بھی شبہ ہے، وہ قول یہ ہے کہ معتد دونوں میں سے جس کی چاہے پیروی کرے۔ صحیح مشہور معتد منہور قول یہ ہے کہ معتد قول امام کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے۔ یہ دونوں قول جیسا کہ آپ کے سامنے ہے، مطلق اور ہر طرح کی قید سے آزاد ہیں۔ کسی میں ترجیح یا عدم ترجیح کا

تعالیٰ و رحمنا بہم وہی کما تری کما موافقة لما فی البحر ولم یتعقبہ فیما علمت الاعمال متاخرات کل منہما عاب و آب و انکرو و اقرو و فارق و رافق و خالف و وافق و ہما العلامة خیر المرسلین والسید الشامی رحمہما اللہ تعالیٰ و لا عبرة بقول مضطرب۔

وقد علمت ان لا نزاع فی سبب صور انما ورد خلاف ضعیف فی الشامت وہی ما اذا خالفہ صاحباء متوافقیین علی قول واحد ولم یتفق المرجحون علی ترجیح شیئ منہما فعند ذلک حباء قیسل ضعیف مجهول القائل بل مشکوک الثبوت ان المقصد یتبع ما شاء منہما و الصحیح المشہور المعتد المنہور انہ لا یتبع الا قول الامام والقولان کما تری مطلقاً مرسلاً لا نظری فی شیئ منہما لـ ترجیح

او عدمہ۔

کوئی لی نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ [ضعیف میں مطلقاً
اختیار دیا گیا ہے اور صحیح میں مطلقاً پابند امام
رکھا گیا ہے]

لیکن محقق شامی نے اپنے لئے ایک نیا
مسلك اختیار کیا ہے جس کی کوئی صحیح سند میرے
علم میں نہیں۔ وہ مسلك یہ ہے کہ مقلد کو نہ اختیار
ہے نہ تقلید امام کی پابندی بلکہ اس پر یہ ہے
کہ مزینین کی پیروی کرے۔

رد المحتار کے شروع میں لکھتے ہیں، الترجیح
کی عبارت اول اصح ہے جب کہ وہ صاحب
اجتہاد ہو۔ اس بارے میں صریح ہے کہ
مجتہد یعنی وہ جو دلیل میں نظر کا اہل ہو، اس قول
کی پے روی کرے گا جس کی دلیل زیادہ قوی
ہو ورنہ ترتیب سابق کا اتباع کرے گا۔
اسی لئے دیکھتے ہو کہ مزینین بعض اوقات امام
صاحب کے کسی شاگرد کے قول کو ان کے
قول پر ترجیح دیتے ہیں جیسے شترہ مسائل میں
تنہا امام ذکر کے قول کو ترجیح دی ہے تو ہم اسی
کی پے روی کریں گے جسے ان حضرات نے
ترجیح دے دی کیوں کہ وہ دلیل میں نظر کے اہل
ہوتے۔ ۱۰۱۔

اور رد المحتار کتاب القضاء میں لکھا،
اس کے لئے ترتیب مذکور کی مخالفت جائز نہیں

لکن المحقق الشامی اختار
لنفسه مسلکاً جدیداً لا اعلم له
فيه سنداً سديداً وهو ان
المقلد لانه التخيير ولا عليه التقييد
بتقليد الامام بل عليه ان يتبعم المرجحين۔
قال في صدد رسد المحتار
قول السراجية الاول اصح اذا
لم يكن المفتي مجتهداً فهو صريح في ان
المجتهد يعني من كان اهلاً
لنظر في الدليل يتبعم من
الاقوال ما كان اقوى دليلاً والا تتبع
الترتيب لسابق وعن هذا توهم قد
يرجحون قول بعض اصحابه علم
قوله كما رجحوا قول نافع وحده
في سبع عشرة مسألة فنجمع
ما رجحوه لانهم اهل النظر
في الدليل۔

وقال في قضائه لا يجوز له
مخالفة الترتيب المذكور

الاذا كانت له ملكة يقتدر بها
على الاطماع على قوة المدرك
وبهذا ارجع القول الاول الى ما
في الحاوي من ان العبرة في
المفتي المجتهد لقوة المدرك نعم فيه
زيادة تفصيل مکت عنه المحامد
فقد اتفق القولات على ان الاصح
هو ان المجتهد في المذهب من
المشايخ الذين هم اصحاب الترجيح
لا يلزمه الاخذ بقول الامام على اطلاق
بل عليه اسطر في الدليل وترجيح ما
ساجع عنده دليله وحين نبتهم ما زججوه
واعتمدوا كما لو افتوا في حياهم
كما حققه الشارح في اول كتاب نقله
عن العدمية قاسم وياتي قريبا
من لم يقطع انه ان لم يكن
مجتهدا فعليه تقليد هم
واتباع سائبهم فاذا قضى بخلافه
لا ينفذ حكمه وفي فتاوى
ابن الشلبى لا يعدل عن قول
الامام الا اذا صرح احد من
المشايخ بان الفتوى على قول غيره
وبهذا اسقط ما بحثه في
ابحار من ان علينا الافتاء بقول
الامام وان افتى المشايخ

مگر جب کہ اسے ایسا ملکہ ہو جس سے قوت دلیل
پر وہ آگاہ ہونے کی قدرت رکھتا ہو۔ اسی سے
پہلے قول کا آل وہی ٹھہرا جو عادی میں ہے کہ
صاحب اجتہاد مفتی کے حق میں قوت دلیل کا
اعتبار ہے۔ ۱۱ اس میں کچھ مزید تفصیل ہے
جس سے عادی نے سکوت اختیار کیا۔ تو دونوں
قول اس پر متفق ہو گئے کہ اصحاب ترجیح مشایخ
میں سے مجتہد فی المذہب پر مطلقاً قول امام
لیناضروری نہیں بلکہ اس کے ذریعہ ہے کہ دلیل
میں نظر کرے اور جس قول کی دلیل اس کے نزدیک
راجح ہو اسے ترجیح دے۔ اور ہمیں اس کی پیروی
کرنا ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی اور
جس پر ائمہ کی جیسے وہ اگر اپنی حیات میں کہیں
فتوے دیتے تو یہی ہوتا جیسا کہ شروع کتاب میں
علامہ قاسم سے نقل کرتے ہوئے شارح نے اس
کی تحقیق کی ہے۔ اور آگے ملقط کے حوالے سے
آ رہا ہے کہ اگر قاضی صاحب اجتہاد نہ ہو تو اسے
مرجعین کی تقلید اور ان کی رائے کا اتباع کرنا ہے
اس کے خلاف فیصلہ کرنے تو نافذ نہ ہوگا۔ اور
فتاویٰ ابن الشلبی میں ہے کہ قول امام سے
عدول نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب کہ مشایخ
میں سے کسی نے یہ تصریح کر دی ہو کہ فتویٰ کسی اور
کے قول پر ہے۔ اسی سے بجز کی یہ بحث ساقط
ہو جاتی ہے کہ ہمیں قول امام پر ہی فتویٰ دینا
ہے اگرچہ مشایخ نے اس کے خلاف

بخلافه^۱۔

اقول اولاً هذا كما ترى

قول مستحدث۔^۲

ثانياً أراد احداً اثباتاً بتبع
الترجيح المخالف لاجماع ائمتنا
الثلاثة رضى الله تعالى عنهم وقد
سمعت مراراً النص صريحاً على
خلافه نعم نتبع القول الضرورى
حيث كانت وجدهم ترجيح
اولاً ببل ولو وجد الترجيح
بخلافه كما علمت فليس
الاتباع فيه للترجيح بل
لقول الامام۔

و ثالثاً فيه ذمول عن محل
النزاع كما علمت تحريرة
بل فوق ذلك لا من
ما خالف فيه صاحباه
ينقسم الآن الى ستة

فتوى دیا ہو۔ ۱۔

اقول، اولاً یہ جیسا آپ دیکھتے
ہیں ایک نیا قول ہے۔

ثانياً مزید نئی بات یہ برحق ہے کہ اس
ترجیح کا بھی اتباع کرنا ہے جو ہمارے تینوں
ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کے برخلاف
ہو۔ حالاں کہ صریح نصوص اس کے خلاف
ہیں، جیسا کہ ملاحظہ کر چکے۔ ۲۔ قول ضروری کا
ہم اتباع کریں گے جہاں امام کا قول ضروری ہو
خواہ اس کے ساتھ ترجیح ہو یا نہ ہو، بلکہ ترجیح اس
کے برخلاف ہو جب بھی۔ جیسا کہ معلوم ہوا۔
تو اس میں ترجیح کی پیروی نہیں بلکہ قول امام
کی ہے۔

ثالثاً محل نزاع جس کی پوری وضاحت
آپ کے سامنے گزری یہاں اسی سے بھی ذمول
ہے بلکہ اور بھی زیادہ ہے۔ اس لئے کہ محل نزاع
صرف وہ صورت ہے جس میں صاحبین (باہم)
ایک قول پر متفق ہونے کے ساتھ امام کے

۱۔ معروضۃ علی العلامة ش۔

۲۔ معروضۃ علیہ۔

۳۔ معروضۃ علیہ۔

۴۔ معروضۃ علیہ۔

اقسام، اما يتفق المرجحون على ترجيح قوله او قولهما او يكون ارجح الترجيحين لكثرته المرجحين او قوة لفظ الترجيح له اولهما او يتساويان فيه اذ قد عدمه، ولا يستاهل لخلات السيد الا الرابع ان يكون اسجع الترجيحين لهما فاذا من هو عاشر عشرة وقد تعدى الف ما هو اعلم. من المقسم ايضا وهو اتباع الترجيح سواء خالفه صاحباه او احدهما او لا احد.

ورابعاً ان كانت لهذا القول المحدث اثر في الزبركان قول التقييد بتقليد الامام مرجحاً عليه وواجب الاتباع بوجوه :

مخالفت ہوں اب اس کی چھ قسمیں ہوں گی ،
(۱) مرجحین قول امام کی ترجیح پر متفق ہوں (۲) یا قول صاحبین کی ترجیح پر [مگر چکا کہ یہ صورت نہ کبھی ہوتی نہ ہوگی] (۳) مرجحین کی کثرت یا لفظ ترجیح کی قوت کے باعث دونوں ترجیحوں سے ارجح قول امام کے حق میں ہو (۴) یا قول صاحبین کے حق میں ہو (۵) دونوں قول ترجیح میں برابر ہوں (۶) یا عدم ترجیح میں برابر ہوں۔ ان میں سے علامہ شامی کے اختلاف کے قابل صرف چوتھی قسم ہے وہ یہ کہ دونوں ترجیحوں میں سے ارجح قول صاحبین کے حق میں ہو۔ مگر اب یہ دس قسموں میں سے سب سے قسم بن جاتی ہے اور اس حد تک تعدی ہو جاتی ہے جو تقسم سے بھی، مگر وہ یہ کہ بہر حال ترجیح کی پوری ہوگی خواہ مخالفت امام دونوں حضرات ہوں یا ایک ہی ہوں، یا کوئی بھی مخالفت نہ ہو۔

مسألة بالعرض اس نوپیدا قول کا کتابوں میں کوئی نام و نشان ہو جب بھی تعقید امام کی پابندی والا قول اس پر ترجیح یافتہ اور واجب الاتباع ہو گا۔ اس کی چند وجہیں ہیں :

۱۔ وہ اس طرح کہ امام کے مخالفت صاحبین ہیں یا ایک یا کوئی نہیں (۱-۲) اور ترجیح یا عدم ترجیح میں سب برابر ہیں (۳) اتفاق قول امام کی ترجیح پر ہے (۴) قول صاحبین پر (۵) ایک صاحب کے قول پر (۶) اس پر جو کسی کا قول نہیں۔ مگر تاہم کبھی واقع ہوئی نہ ہوں گی۔ (۷) ارجح ترجیحات قول امام کے حق میں ہے (۸) قول صاحبین کے حق میں (۹) ایک صاحب کے حق میں (۱۰) اس کے حق میں جو کسی کا قول نہیں ۱۲ محمد احمد مصباحی

الاول انه قول صاحب الامام
 الاعظم بحر العلوم الفقيه
 والمحدثين والاولياء سيدنا عبد الله
 بن المبارك رضي الله تعالى عنه و
 نفعنا ببركاته العظيمة في الدين والدنيا و
 الآخرة فقد قال في المحاوي القدح و
 نقبته انه في شرح العقود متى لم يوجد
 في المسألة عن ابی حنيفة رواية يؤخذ
 بظاهر قول ابی يوسف ثم بظاهر قول محمد
 بظاهر قول زفر والمحسن وغيرهم الاكبر
 فالأكبر المأخوذ من كان من
 كبار اصحابه۔

۱۱۱۱ ۱۱۱۱

الثاني عليه الجمهور والعمل
 بما عليه الاكثر كما صرحتم به

وجه اول : یہ امام اعظم کے شاگرد و بحر علم
 فقہاء، محدثین اور اولیاء کے امام سیدنا عبد اللہ
 بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے، خدا ہمیں
 دین، دنیا اور آخرت میں ان کی عظیم برکتوں سے
 فائدہ پہنچائے۔ حاوی قدسی میں ہے۔ —
 اور آپ نے شرح عقود میں اسے نقل بھی فرمایا ہے
 کہ جب مسئلہ میں امام ابو حنیفہ سے کوئی روایت
 نہ ملے تو ظاہر قول امام ابو یوسف، پھر ظاہر قول
 امام محمد، پھر ظاہر قول امام زفر و حسن و غیسرہم
 لیا جائے گا۔ ظاہر سے مراد وہ جو ظاہر الروایہ میں
 ہو جیسا کہ حاشیہ مصنف میں (جزا ۱۷) پر درج ہے
 پھر بزرگ تر، یوں ہی کبار اصحاب کے آخری فرد
 تک۔ ا۔

وجه دوم، اسی پر جمهور ہیں۔ اور عمل
 اسی پر ہوتا ہے جس پر اکثر ہوں۔ جیسا کہ آپ نے

ف : معروضہ علیہ۔

ف : مسئلہ جب کسی مسئلہ میں امام کا قول نہ ملے امام ابو یوسف کے قول پر عمل ہو، ان کے بعد
 امام محمد، پھر امام زفر، پھر امام حسن بن زیاد و غیرہم مثل امام حیدر اللہ بن مبارک و امام سعد بن عمرو و امام زاید و
 لیث بن سعد و امام عارف و داؤد طائی و غیرہم اکابر اصحاب امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنہم کے اقوال پر عمل ہو۔

ف : معروضہ علیہ۔

ف : العمل بما فيه الاكثر۔

۱۶/۲۹ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور
 ۱۵۱/۱ رسالہ رد المحتار باب الیاء فصل فی البئر طارحہ التراث العربی بیروت

خود رد المحتار اور العقود الدریۃ میں اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اس پر اپنے فتاویٰ میں اور فصل القضاء فی رسم الافاء میں بکثرت نصوص جمع کر دیے ہیں۔

وجہ سوم : یہی وہ قول ہے جس پر تصحیحات کا توارذ اور ترجیحات کا اتفاق ہے۔ توارذ ترجیحات کا اتباع واجب ہے قراس کا قائل ہونا بھی واجب ہے کہ امام کی تقلید ضروری ہے اگرچہ صاحبین مطلقاً ان کے مخالف ہوں۔ اور اگر اتباع ترجیحات واجب نہیں تو سرے سے بحث ہی ساقط ہوگئی، کیونکہ یہ سارا اختلاف ترجیحات کا اتباع واجب ہونے ہی کے واسطے میں تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خود نزاع ہی نزاع کو ختم کر دیتا ہے۔ اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہوگی؟

خاصاً سید محقق ان دعوں میں سے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ امامی کا کوئی مذہب نہیں اور وہ جس بات میں چاہے جس کی چاہے تقلید کر سکتا ہے۔ منہ الخانی کی کتاب القضاء میں خود اسی بحث کے تحت لکھتے ہیں، ہاں مؤلف نے جو ذکر کیا ہے اس قول کی بنیاد پر ظاہر ہے کہ جس نے مذہب امام کا التزام کر لیا اس کے لئے دوسرے کی تقلید جن باتوں پر وہ عمل کر چکا ہے

فی رد المحتار والعقود الدریۃ والکثرنا النصوص علیہ فی فتاؤنا وف فصل القضاء فی رسم الافتاء۔

الثالث هو الذی توارذت علیہ التصحیحات و اتفقت علیہ الترمیمات فان وجب اتباعها وجب القول بوجوب تقلید الامام و انت خالفنا مطلقاً وانت لم یجب معط البحث رأساً فانما کانت النزاع فی وجوب اتباع الترمیمات فظهر ان نفس النزاع یمهد النزاع و ای شئ اوجب منه۔

خاصاً سید المحقق من الذین ترعموا ان العاصی لا مذہب له وانت له ان یقلد من شاء یمشا شاء وقد قال فی قضاء المنحة فی نفس هذا المبحث نعم ما ذکره المؤلف یمهد بناء علی القول بان من التزم مذہب الامام لا یحل له تقلید

غیرہ فی غیر ما عمل بہ وقد علمت
ما قدمنا من التحریرات
خلاف المختار

اقول وهذا وان كانت
قبلا باطلا مغسولا قد صرح
ببطلانه كباسم الاثمة الناصحين
وصنف في ابطاله من بر في الادلين والآخرين
وقد حدثت منه فتنة عظيمة في
الدين من جهة الوهابية الغير المقلدين
والله لا يصلح عمل المضدين
ولعمري هؤلاء المبيحون من

ان کے علاوہ میں بھی جائز نہیں۔ اور تمہیں معلوم ہے
کہ تحریر کے حوالے سے ہم مکمل آتے ہیں کہ یہ قول
مختار کے برخلاف ہے۔

اقول یہ اگرچہ ایک باطل و پامال
قول تھا، بزرگ، ناصح و غیر خواہ ائمہ نے اس کے
بطلان کی تصریح بھی فرمادی ہے اور اس کے ابطال
کے لئے اولین و آخرین میں متعدد کتابیں تصنیف
ہوئی ہیں، اس کی وجہ سے وہابیہ غیر مقلدین کی
جانب سے دین میں عظیم فتنہ بھی پیدا ہوا ہے اور
خدا مفسدوں کا کام نہیں بناتا۔

یہ جائز کئے والے علماء۔ خداے تعالیٰ ان

فل، مسئلہ تقلید شخصی واجب ہے اور یہ بات کہ جس مسئلہ میں جس مذہب پر چاہو عمل کرو باطل
ہے، اکابر ائمہ نے اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی اس کے سبب غیر مقلد وہابیوں کا دین میں ایک
بڑا فتنہ پیدا ہوا۔

فل، ترجمہ فائدہ جلیلم، بعض علماء بحث کی جگہ تک تو گئے ہیں کہ آدمی جس قول پر چاہے عمل کرے مگر
یہ بحث ہی تک کہنے کی بات ہے، دل ان کے بھی اسے پسند نہیں کرتے بلکہ برا جانتے ہیں جابجا جس کسی مسئلہ
میں بے قیدی عوام کا اندیشہ سمجھتے ہیں صاف فرمادیتے ہیں کہ اسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے کہ وہ مذہب کے
گرائے پر جو رأت نہ کریں، پھر یہی علماء مگر بھر اپنے کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہتے کھلتے رہے۔ کبھی مذہب
سے بے قیدی نہ برتی۔ عمریں اپنے اپنے مذہب کی تائید میں صرف کیں اور اس میں بڑے بڑے دفتر تصنیف
ہوئے اور تمام علماء امت نے اس پر اجماع کیا بلکہ اپنے اپنے مذہب کی تائید میں مناظرہ تو زمانہ صحابہ کرام
سے چلا آتا ہے۔ اگر مذہب کوئی چیز نہ ہوتا اور آدمی کو عمل کے لئے سب برابر ہوتے تو یہ سب کچھ مناظرے
اور ہزار باتیں اور ائمہ و اکابر کی عمروں کی کارروائیاں سب لغو و فضل میں وقت و عمر و مال برباد کرنا ہوتا
اس سے بدتر کون سی شناعة ہے۔

العلماء خفف الله تعالى لنا بهم ان صبرتهم
واختبرتهم لوحدة قلوبهم ابيته
عما يقولون ، وصنيعهم شاهدا انهم
لا يحبونه ولا يريدون ، ولا يحبونه
بل يحبون ، ويقولون في
مسائل هذه تعلم وتكتم
كيلا يتجاسر الجاهل على
هدم المذهب ثم طول
اعمالهم يتمن هبون
لامامهم ولا يخرجون
عن المذهب في افعالهم
واقوالهم ، ويصرفون
العمر في الانتقار له والذب
عنه وهذا فتح القدير
لصاحب التحرير ما صنف الاجيد لا
وكذا لك في مذهبنا و

کے سبب ہماری مغفرت فرمائے۔ بخدا اگر ان کو
جانچا اور آزمایا جائے تو ان کے قلوب ان کے قول
سے منکر اور ان کے اعمال اس پر شاہد ملیں گے
کہ وہ اسے نہ پسند کرتے ہیں نہ اس کا ارادہ رکھتے
ہیں اور وہ اسے اچھا نہیں جانتے بلکہ اس سے
کنارہ کش رہتے ہیں۔ [بس بحث کے طور پر اسے
لکھ گئے اور بحث ہی تک بات رہ گئی اعتقاد و عمل
کوئی اس کا ہم نوا نہ ہوا] بہت سے مسائل میں
خود کہتے ہیں کہ یہ بس جاننے کے قابل ہیں بتانے کے
لائی نہیں کہیں جاہلوں میں مذہب کے گرانے کی
جرات نہ پیدا ہو۔ پھر یہ زندگی بھر اپنے ایک
امام کے مذہب پر رہ گئے اور افعالی و اقوال میں
کسی مذہب سے ماہر نہ ہوئے۔ اسی کی تائید
اور اسی کے دفاع میں عمریں صرف کر دیں۔ یہ
صاحب تحریر کی فتح القدير ہی کو دیکھ لیجئے صرف
مناظرہ کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اسی طرح ہمارے

عہ اقول اسکا سبب ہے کہ کسی شے کا ایک حکم تو
اس کی نفس ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے جس
میں خارج سے قطع نظر ہوتی ہے اور ایک حکم اُن
باتوں کے سبب ہوتا ہے جو خارج سے پیش آتی
ہیں ، تو ان علما نے جو بحث میں فرمایا وہ پہلے حکم ہے
اور جس پر عمل رکھا وہ دوسرا کہ مفسدوں سے بچنا
واجب ہے اگرچہ وہ شے کی نفس ذات سے پیدا
نہ ہوں۔ جیسا کہ مخفی نہیں ۱۲ منہ غفر لہ۔

عہ اقول والوجه فيه ان للشئ حكما
في نفسه مع قطع النظر عن الخارج
وحكما بالنظر الي ما يعرضه
عن خارج فالاول هو البحت و
والثاني عليه العمل لوجوب التحرز
عن المفسد وان لم يكن انبعاثا عن
نفس ذات الشئ كما لا يخفى ا
۱۲ منہ غفر لہ۔

المذهب الثلاثة الباقية وفاتر
ضخام في هذا المرام قلو لا
لا التمدد هب لامر بعينه لان ما
وكان يسوع انت يتبع من شاء
ما شاء لكان هذا كله اضاعة
عسر في فضول واشتغال بما لا يعنى
وقد اجتمع عليه علماء المذاهب
الاربعة واهلها هم الائمة
بل المناظرة في الفروع وذب كل
ذاهب عما ذهب اليه جارية من
لدى الصحابة رضى الله تعالى عنهم بيدون
تكير فاذا نكحوا الاجماع العمل على الاهتمام
بما لا يعنى واستحسان الاشتغال بالفضول و
اي شناعة اشنع منه .

لكن سئل السيد ادم يجب
التقيد بالمذهب و جازم الخسر و ج
عنه باسكية فمن ذا الذى اوجب
اتباع مرجحين فب مذهب
معين مرجحوا احد قوليت
فيه .

هذا اذا اتفقوا فكيف و
قد اختلفوا وفي احد الجانبين
الامام الاعظم المجتهد
فل معروضه على العلامة ش .
فل معروضه عليه .

مسلك میں اور باقی تینوں مذاہب میں اس مقصد
کے تحت بڑے بڑے و فتر تصنیف ہوئے .
اگر ایک امام معین کے مذہب کی پابندی لازم
نہ ہوتی اور یہ روا ہوتا کہ جو چاہے جس کی چاہے
پیروی کرے تو یہ سب ایک لایعنی کارروائی اور
فضولی چیز میں عمر حدیث کی بربادی ہوتی حالانکہ
اس کام پر مذاہب اربعہ کے علماء اور ان مذاہب
کے ماننے والے ان ہی ائمہ کا اتفاق ہے بلکہ فرداغ
میں مناظرہ اور اپنے اپنے مذہب کی حمایت تو
زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہی بلا تکرار
مذہب کی پابندی کوئی چیز نہ ہو تو لازم آئے گا کہ ایک
لا یعنی کام کے اہتمام اور فضول قسم کی مشغولیت کو اچھا سمجھنے
پر اس وقت سے اب تک کے ائمہ و علماء کا عملی اجماع
قائم رہا ، اس سے بدتر کون سی شاعت ہوگی ؟
لیکن علامہ شامی سے سوال ہو سکتا ہے
کہ جب مذہب کی پابندی ضروری نہیں اور اس سے
بالکلیہ باہر آنا وہاں ہے تو کسی معین مذہب کے
حضرات مرجحین جنہوں نے اس مذہب کے دو
قول میں سے ایک کو ترجیح دی ، ان کی پیروی
کیسے ضروری ہوگئی ؟

یہ کلام تو ان حضرات کے متفق ہونے کی
صورت میں ہے ۔ پھر اس صورت کا کیا حال
ہوگا جب یہ باہم مختلف ہوں اور ایک طرف

المطلق الذي لم يلحقوا غبارا و
لم يبدل مجموعهم عشر فعمله
ولامعشاره أهل هذا الاجمع
بين الضب والنون اذ حاصله
ان الامام واصحابه واصحاب
الترجيح في مذهبه اذا اجمعوا
عليهم جمعون على قول
لم يجب عن المقلد من
الاخذ به بل يأخذون به
او بما تهوى انفسهم من قيلات
خارجة عن المذهب نكت اذا
قال الامام قولا وخالفه صاحباه
ومجمع مرجعون كلا من
القولين وكان الترجيح في جانب الصحابين
اكثر ذهابا او اكمل لفظا فحجب
تقليد هؤلاء ويمتنع تقليد
الامام ومن معه ، قبل
ان اجمع الامام وصحاباه
على ثبوت مرجع خاص من
هؤلاء المتأخرين قيل
مخالف لاجماعهم ، وجب ترك

مجتہد مطلق امام اعظم بھی ہوں یہ جن کی گرد پا کو بھی
نہ پاسکے اور ان سب حضرات کا مجموعی کمال بھی ان
کے فضل و کمال کے دسویں حصے کو بھی نہ پہنچ سکا۔
یہ ضب اور نون کو جمع کرنے کے سوا کیا ہے؟۔
اس لئے کہ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ حضرت
امام، ان کے اصحاب اور ان کے مذہب کے
اصحاب ترجیح سب کے سب متفق طور پر جب کسی
قول پر اجماع کر لیں تو مقتدین کے ذمہ اسے لینا
ضروری نہیں بلکہ انھیں اختیار ہے اسے لے لیں
یا اپنی خواہشات نفس کے مطابق مذہب سے
خارج اقوال کر لیں۔ لیکن جب امام
کوئی قول ارشاد فرمائیں، اور ان کے صاحبین
ان کے خلاف کہیں پھر دونوں قولوں میں سے ہر ایک
کو کچھ مرجحین ترجیح دیں اور صاحبین کی جانب ترجیح
دینے والوں کی تعداد زیادہ ہو یا اس طرف ترجیح
کے الفاظ زیادہ ہو کہ ہوں تو ایسی صورت میں ان
مرجحین کی تقلید واجب ہو جائے اور امام اور ان کے
موافقی حضرات کی تقلید ناجائز ہو جائے۔ بلکہ
اگر امام اور صاحبین کا کسی بات پر اجماع ہو اور
ان متأخرین میں سے کچھ افراد ان کے اجماع کے
مخالفت کسی قول کو ترجیح دے دیں تو ان امر کی

نہ ، معروضہ علیہ۔

سہ ضب اگر وہ جو جنگلی حافر ہے اور نون، محلی جو دریائی جانور ہے۔ دونوں میں کیا جڑ۔ ایک عربی مثل
سے ماخوذ ہے ۱۱۶

تقلید لاشد الخ تقلید هو لا و
اتباعهم، هذا هو الباطل المبين،
لادلیل علیہ اصلا من الشرع
المتین، والحمد لله رب العالمین۔

وبہ ظہرات قول البحر و
ان كان مبنيًا على ذلك المحقق
المنصور المعتمد المختار الماخوذ به قولاً
عند الاثمة الكبار، وفعلًا عندهم وعند
هؤلاء المشاهير عین الاختيار، لكن ما دهم السید
لا یستثنی عینہ ولا علی ما نرغم انہ المختار،
بل یفعلهم جميعًا بالاعلان والجهار، و
الحجة لله العزيز الغفار، والصلوة و
السلام علی سید الابرار وعلیہ الاطهار،
وصحبه الکبار، وعلینا معهم فی دار
القرار، آمین!

قوله قول السراجیه صریح
ان السجته یجب ما كانت اقوی
والا اتبع الترتیب فنسبهم
مارجحوه۔

اقول بحکم الله قول الخ

ف، معروضه علی العلامة ش۔

ف، معروضه علیہ۔

له رد المختار مطلب رسم المفتی

دار احیاء التراث العربی بیروت

۱/۴

تقلید چہوڑ کر ان افراد کی تقلید اور پیروی واجب
ہو جائے یہی وہ کھلا ہوا باطل خیال ہے جس
پر شرع متین سے ہرگز کوئی دلیل نہیں والحمد
لہ رب العالمین۔

اسی سے ظاہر ہوا کہ تجسس کا کلام تو
اُس قول حق پر مبنی تھا جو منصور، معتد، مختار ہے،
جسے قولاً تمام ائمہ بکارنے لیا اور عند ان کے ساتھ
ایں بزرگ مخالفین نے بھی لیا لیکن علامہ شامی
کے خیال کی بنیاد نہ اُس مختار پر قائم ہے نہ اُس
پر جس کو بزرگ خویش مختار بھی بلکہ وہ علانیہ و
عیان طور پر دونوں ہی کے خلاف ہے — اور
حجت خدا سے عزیز و فخر ہی کی ہے اور درود و
سلام ہر سید ابرار ان کی آل اطہار، اصحاب
کرام پر اور ان کے ساتھ ہم پر بھی دارالقرار میں،
الہی قبول فرما!

علامہ شامی، سراجیہ کی عبارت اس
بارے میں صریح ہے کہ مجتہد اس کی پیروی کرے گا
جو زیادہ قوی ہو، ورنہ ترتیب سابق کا اتباع
کرے گا۔ تو ہم اسی کی پے روی کریں گے جسے
ان حضرات نے ترجیح دے دی۔

اقول الله آپ پر رحم فرمائے، تو ہم اسی

کی پیروی کریں گے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی۔ یہ عبارت اگر آپ نے کلام سراجیہ کے مفاد و مفہوم کے تحت داخل کر کے ذکر کی ہے تو یہ اس کلام کی توجیہ نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور تردید ہے کیونکہ سراجیہ تو غیر مجتہد پر ترتیب کی پیروی واجب کرتی ہے نہ کہ ترجیح کی پیروی۔ اور اگر یہ عبارت آپ نے اپنی طرف سے بڑھائی ہے تو یہ منصوص کے برخلاف ہے اور ایک چیز کی تفریع ایسی چیز پر ہے جو دراصل اس کی تردید ہے۔ کیوں کہ آپ اگر صاحب نظر ہیں تو آپ کے ذمہ نظر صحیح ہے یا آپ اہل نظر نہیں تو آپ کے ذمہ اتباع ترتیب ہے۔ پھر یہ تفسیر بیگانہ و اجنبی کہاں سے گیا؟

علامہ رشیدی، اس کے لئے ترتیب مذکور کی مخالفت جارتہ نہیں مگر جب اس کے پاس ملکہ ہو تو اس کے ذمہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک جو رائج ہو اسے ترجیح دے اور یہیں اس کی پیروی کرنا ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی۔

اقول اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ یہ بھی اُسی کی طرح ہے۔ کیونکہ ان تمام حضرات کے کلام کا حاصل وہی ہے جو آپ نے ”اور یہیں“ تک

قنتبہم ما رجحوا ان كان داخلا في ما ذكرت من مفاد السراجية فتوجيه القول بضده وسدده قامت السراجية توجب على غير المجتهد اتباع الترتيب لا الترجيح وان كانت زيادة من عندكم فخالفت المنصوص وتفسيره للشئ على ما هو تقرير له فاما ان كنت اهل النظر فعليك بالنظر المصيب ، اولا فعليك بالترتيب ، فمن اين هذا الثالث الغريب .

قوله لا يجوز له مخالفة الترتيب المذكور الا اذا كان له ملكة فعلية ترجيح ما يرجح عنده و نحن نشبه ما رجحوا له .

اقول سرحك الله هذا كذلك فحاصل كلامهم جميعا ما ذكرت الحب قولك و نحن اما

فت ، معروضه على العلامة ش

هذا فرد عليه وخروج عنه فان
من لا ملكة له لا يجوز له
عندهم مخالفة الترتيب وانتم
اوجبتموه عليه اذ امره له مع
الترجيح.

قوله كما حققه المشرح عن
العلامة قاسم
اقول علمت ان لا موافقة
فيه لمانديه ولا فيه ميل
اليه.

قوله ويأتي من الملتقط
اقول - اولاً حاصل ما فيه
ان القاضى المجتهد يقضى برأى
نفسه والمقلد برأى المجتهدين و
ليس له ان يخالفهم، وايت فيه
ان الذين يفتنونهم ان
كانوا من مجتهدى مذهب امامه
فاختلفوا في الافتاء بقوله
وجب عليه ان يأخذ

قوله: معروضه عن العلامة ش
قوله: معروضه عليه.

ذکر کیا — اور یہ اضافہ تو اس کی تردید اور اس کی
مخالفت ہے۔ کیوں کہ جس کے پاس ملکہ نہیں اس
کے لئے ان حضرات کے نزدیک ترتیب کی مخالفت
رد انہیں اور آپ نے تو اس پر یہ مخالفت واجب
کر دی ہے کیونکہ اسے آپ نے ترجیح کے ساتھ
چکر لگانے کا پابند کر دیا ہے۔

علامہ شامی، جیسا کہ علامہ قاسم سے
نقل کرتے ہوئے شارح نے اس کی تحقیق کی ہے۔
اقول معلوم ہو چکا کہ اس میں نہ تو
اس خیال کی کوئی جہم نوائی ہے۔ اس کا کوئی
میلان۔

علامہ شامی، اور ملتقط کے حوالہ سے آرہا ہے۔
اقول۔ - اولاً اس کا حاصل
صرف یہ ہے کہ قاضی مجتہد خود اپنی رائے پر فیصلہ
کرے گا اور قاضی مقلد مجتہدین کی رائے پر فیصلہ
کرے گا اسے ان کی مخالفت کا حق نہیں۔
اس میں یہ کہاں ہے کہ جو لوگ اس قاضی مقلد
کو فتویٰ دیں گے اگر وہ اس کے امام کے مذہب
کے مجتہدین سے ہوں پھر قول امام پر افتاء میں
باہم مختلف ہوں تو اس پر واجب یہ ہے کہ

ان لوگوں کا قوی ہے جو اس کے امام اور اپنے امام کے خلاف گئے ہوں بشرطے کو تعداد میں وہ زیادہ ہوں یا ان کے الفاظ زیادہ ہو کہ ہوں۔ حالانکہ نزاع تو اسی بار سے میں ہے۔

ثانیاً اگر ہم اپنی رائے کے کران کی مخالفت کریں تو اس سے مخالفت ہے کیونکہ ہماری کوئی رائے ہی نہیں لیکن ان کی مخالفت ہم اپنی رائے کے مقابل نہیں کرتے بلکہ ان کے امام اور اپنے امام کی رائے کو لے کر ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور ملقط کے اندر تو اسی عبارت میں قاضی مجتہد سے متعلق یہ لکھا ہے کہ، خود جیسے درست سمجھے اس پر فیصلہ کرے دوسرے کی رائے پر نہیں لیکن دوسرا اگر فقہ اور وجہ اجتہاد میں اس سے زیادہ قوی ہو تو اس کی رائے اختیار کر کے اپنی رائے ترک کر دینا جائز ہے۔

جب مجتہد کے لئے اپنے سے اقویٰ کی رائے کو اختیار کر کے اپنی رائے ترک کرنا جائز ہے، حالانکہ اسے حکم یہ ہے کہ اپنی رائے کا اتباع کرے اور دوسرے کی تقلید اس کے لئے روا نہیں، تو ہمارے اور ان مفتیوں کے امام اعظم

یقول الذین خالفوا امامہ وامامہم امت کانوا اکثر اذ لفظہم اکثر وانما النزاع فی هذا۔

وثانیاً السنن من ان نخالفہم بما رآنا اذ لارأی لنا ونحن لا نخالفہم بأرائنا بل برأی امامہم وامامنا۔

وقد قال فی الملقط فی تلك العبارة فی العاضی المجتہد قضي بما رآه صواباً لا بخبره الا ان يكون غيره اقوى فی الفقه ووجوه الاجتهاد فيجوز ترك رأيه برأيه ام۔

فاذا اجاز للمجتہد امت یترك رأیه برأی من هو اقوى منه مع انه مأمور باتباع رأیه وليس له تقلید غيره فان تركنا أراء هؤلاء المفتین إسرائي امامنا و

۱۔ معروضہ علیہ

۲۔ معروضہ علیہ

امامهم الاعظم الذی هو اقوی من
مجموعهم فی الفقه ووجوه
الاجتهاد بل فضله علیهم
کفضلهم علینا و هو اعظم
الاولی بالجوادر واجد س۔

جو فقہ اور وجوہ اجتہاد میں ان حضرات کی مجموعی
قوت سے بھی زیادہ قوت رکھتے ہیں بلکہ ان پر امام
کو اسی طرح فوقیت ہے جیسے ہم پر ان حضرات
کو فوقیت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تو اگر ہم
ان کی رائے اختیار کر کے ان مفتیوں کی رائے
ترک کریں تو یہ بدرجہ اولی جائز اور نسب
ہوگا۔

قوله سقط ما بحثه فی البحر۔
اقول سبحان الله هو المحکم
المأثور، ومقتد البحر، والمصحح المنعوض،
تکلیف یصح تسبیته بحث البحر هذا۔
واقول یظهر فی توجیهه
کلامه سر حمد الله تعالى ان مراده
اذا اتفق المرجعون علی
ترجیح قول غیره رضی الله
تعالی عنه ذکره مرد المافهم
من اطلاق قول البحر و
ان اتفق المشائخ بخلافه
فانه بظاهره یشمل ما اذا
اجمع المشائخ علی ترجیح

علامہ شامی، بحر کی بحث ساقط ہو گئی۔
اقول سبحان الله۔ یہی تو حکم منقول
ہے عبور کا مقتد اور تصحیح و تائید یافتہ بھی، پھر اے
بحر کی بحث کنا کیوں کر درست ہے؟

اقول مجھے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ
کے کلام کی توجیہ میں یہ کج آتا ہے کہ ان کی مراد
وہ صورت ہے جس میں حضرت امام رضی اللہ
تعالی عنہ کے سوا کسی اور کے قول کی ترجیح پر
مرجعین کا اتفاق ہو۔ اے اُس اطلاق کی
تردید میں ذکر کیا جو بحر کی اس عبارت سے کج
میں آتا ہے کہ ”اگرچہ مشائخ نے اس کے
خلاص فتویٰ دیا ہو“ کیوں کہ بظاہر اُس
صورت کو بھی شامل ہے جس میں غیر امام کے

ول : معروضہ علیہ

ول : السعی الجلیل فی توجیہ کلام العلامة الشامی سر حمد الله تعالى۔

قول غیرہ۔

والدلیل علیٰ ہذا العنایۃ
فی کلامہم انہ انما تمسک بالتبع
المرجحین وانہم اعلم وانہم
سبروا الدلائل فحکموا بتوجیہ
ولم یلم فی شئ من الکلام
الیٰ صوریۃ اختلاف الترجیح فضل
عن اس جحیۃ احد الترجیحین
ولو کان مرادہ ذلک لم یقتصر علی
اتباع المرجحین فانہ حاصل
فی کلا الجانبین بل ذکر اتباع
اس جہ الترجیحین۔

ویؤیدہ ایضا ما قد منا فی
السابعۃ من قوله رحمہ اللہ تعالیٰ
لما تعارضت الصحیحات تساقطا
فرجعنا الی الاصل وهو
تقدیم قول الامامؑ۔

وهذا وان کان ظاہرہ فی
ما استوعب الترجیحات لکن
ما ذکرہ مسترقیا علیہ عن
الخیرۃ والبحرین ان الحكم اعلم۔

قول کی ترجیح پر اجماع مشایخ ہو۔

یہ مراد ہونے پر کلام شامی میں دلیل
یہ ہے کہ انہوں نے اتباع مرجحین سے استدلال
کیا ہے اور اس بات سے کہ وہ زیادہ علم والے
ہیں اور انہوں نے دلائل کی جانچ کر کے اس کی
ترجیح کا فیصلہ کیا ہے۔ اور کلام کے کسی حصے میں
اختلاف ترجیح کی صورت کو ہاتھ نہ لگایا۔ دو ترجیحوں
میں سے ایک کے ارجح ہونے کا تذکرہ تو درکنار
اختلاف ترجیح کی صورت اگر انہیں مقصود ہوتی تو
صرف اتباع مرجحین کے حکم پر اکتفا نہ کرتے کیونکہ
اس صورت میں اتباع مرجحین تو دونوں ہی
جانب موجود ہے، بلکہ اس تقدیر پر وہ دونوں
ترجیحوں میں سے ارجح کے اتباع کا ذکر کرتے۔

اس کی تائید ان کے اس کلام سے بھی
ہوتی ہے جسے ہم مقدمہ ہفتم میں نقل کر آئے
ہیں کہ جب دونوں نصیحوں میں تعارض ہو تو
دونوں ساقط ہو گئیں اس لئے ہم نے اصل کی
جانب رجوع کیا، وہ یہ ہے کہ امام کا قول مقدم
رہے گا۔

یہ اگرچہ بظاہر دونوں ترجیحیں برابر ہونے
کی صورت میں ہے لیکن آگے اس پر ترقی کرتے
ہوئے خیر یہ اور بحر کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے
وہ قیاس کر دیتا ہے کہ حکم اعلم ہے۔

وینویدہ ایضاً ما جعل آخر
الکلام محصل جمیع کلام الدر
فی السمراد اذ قال قوله فلیحفظ
اع جمیع ما ذکرناک وحاصله
انت المحکومات اتفق
علیه اصحابنا یفتی بہ قطعاً
والا فاما ان یصحح المشائخ
احد القولین فیہ او کلا منہما
او لا ولا فغیر الثالث یمتد
الترتیب بان یفتی بقول
الحج حنیفة ثم انی یوسف الخ
او قسوة الدلیل و سر
التوفیق، وفي الاول انت
کانت التصحیح یا فعل
التفضیل خیر السفتی
والا فلا سل یفتی بالمصحح
فقط وهذا ما نقله
عن الرسالة وفي الثاني
اما انت یکون احدهما
عن اقول یشمل ما اذا کانت کلاهما
بد ولا یتأق فیہ الخلاف المذكور
فکانت ینبغی انت یقول احدهما
وحده لیشمل قوله اولاً ما اذا کان
یا فعل ۱۲ منه غرضه۔

فت: معروضہ علی العلامة ش

اس کی تائید اُس سے بھی ہوتی ہے
جسے آخر کلام میں مقصود سے متعلق پوری عبارت
در مختار کا حاصل قرار دیا کہ وہاں یہ لکھا ہے:
عبارت در فلیحفظ۔ تو اسے یاد رکھ جائے
کا معنی یہ ہے کہ وہ سب یاد رکھا جائے جو ہم
نے ذکر کیا اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی
حکم پر چارے اصحاب کا اتفاق ہو تو قطعاً اسی
پر فتویٰ دیا جائے گا ورنہ تین صورتیں ہوں گی:
(۱) مشائخ نے دونوں قولوں میں سے صرف ایک
کو صحیح قرار دیا ہو (۲) ہر ایک کی تصحیح ہوتی ہو۔
(۳) مذکورہ دونوں صورتیں نہ ہوں۔
تیسری صورت میں ترتیب کا اعتبار ہوگا اس طرح
کہ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا،
پھر امام ابو یوسف کے قول پر الخ۔ یا قوتِ دلیل کا
اعتبار ہوگا۔ اور ان دونوں میں تطبیق کا بیان
گزر چکا۔

اور پہلی صورت میں اگر تصحیح، فضل التفضیل
کے صیغے (مثلاً لفظ اھو) سے ہو تو مفتی کو اختیار
ہوگی ورنہ (مثلاً صرف لفظ صحیح چھ تو) نہیں
عہ اقول یہ اُس صورت کو بھی شامل ہے جس
میں دونوں ترجیحیں بلفظِ افعال ہوں حالانکہ اس میں
خلاف مذکور حاصل نہ ہوگا تو انہیں کوئی ایک
بجائے احد مملوحدہ۔ صرف ایک کہنا چاہیے
تھا تا کہ ان کا قولی اذ لا۔ یا نہ اس صورت کو بھی
شامل ہو جائے جس میں ہر ایک بلفظِ افعال ہو (۲۲) (مت)

بقرہ مفتی کو اسی پر فتویٰ دینا ہے جسے صحیح کہا گیا یہ وہ بات ہے جو انہوں نے رسالہ سے نقل کی اور دوسری صورت میں کوئی ایک ترجیح بلطف الفعل التفضیل ہوگی یا نہ ہوگی بر تقدیر اول کہا گیا کہ صحیح پر فتویٰ دیا جائے گا۔ یہ بخیر سے منقول ہے۔ اور کہا گیا کہ صحیح پر فتویٰ ہوگا۔ یہ شرح غیہ سے منقول ہے۔ بر تقدیر دوم مفتی کو تحقیر ہوگی۔ یہ بحسب کتاب الوقف اور رسالہ سے منقول ہے۔ یہ علی نے افادہ فرمایا ا۔

توقیر صورت میں جو ذکر کیا بعینہ وہی ہماری مراد ہے۔ اسی طرح وہ بھی جو پہلی صورت میں ذکر کیا۔ رہا اُس صورت کا استثنا جس میں تصحیح بعینہ اہم تفضیل ہو فاقول (تہ میں کہتا ہوں) وہ خود ان کے خلاف ہے ہمارے خلاف نہیں۔ کیوں کہ جب ترجیح صرف ایک طرف ہو۔ جیسا کہ اسے رسالے کا محل اور معنی مراد ٹھہرایا۔ اس کے باوجود مفتی کو تحقیر ہو تو اس کے ذمہ اس کی پیروی لازم نہ رہی جسے مشیخ نے ترجیح دی۔

اور یہ تاویل کہ "افعل" کا معنی دیر ہو گا کہ روایت خلاف بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ علی و شامی اور خطاطی نے کہا۔

بیا فعل التفضیل اولاً فقہ الاول قیل یفتی بالاصح و هو المنقول عن الخیرية وقیل بالصحیح و هو المنقول عن شرح المنیة وف الثانی یغیر المفتی وهو المنقول عن وقف البحر والرسالة افادة ح ا۔

فما ذکرہ فی الثالث عین مرادنا وکذا اما ذکرہ فی الاول اما استثناء ما اذا کامن التصحیح بافعل فاقول یخالف نفسه ولا یخالفنا فان الترجیح اذا لم یوجد الا فی جانب واحد کما جعله محمل الرسالة ومع ذلک خیر المفتی لم یکن علیہ اتباع ما مرجحوا۔

والتاویل بامت افعل افادات الروایة المخالفة صحیحة ایضاً کما قالہما وط۔

فت : معروضہ علیہ

سہروردی محترم مطلب از تعارض التصحیح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۵۰ و ۵۱

فأقول أولاً هذا مسلم

إذا قيل الأصح بالصحيح أما إذا
ذكروا قولين وقولاً في أحد هما
وحداهما الأصح ولم يعلموا ببیان
قوة ما في الآخر أصلاً فلا يفهم
منه إلا أن الأول هو الواجب
المنصوص ولا ينقدح في ذهن
أحد أنهم يريدون به تصحيح
كلا القولين وإن تلاول مزية
ما على الآخر فافعل ههنا من باب
أهل الجنة خير مستقراً أحسن
مقيلاً ولو سبرت كلامهم
لوجدتهم يقولون هذا
أحوط وهذا أسفح مع
أن الآخر لا يفت فيه و
لا احتياط وهذا مبديهم
عند من خدام كلامهم.

ولذا قال في الخيرية من

فأقول (تو میں کہتا ہوں) اولاً یہ

بات اُس صورت میں تسلیم ہے جب اصح کے
مقابلے میں صحیح لایا گیا ہو۔ لیکن جب دو قول
ذکر کریں اور صرف ایک کے بارے میں کہیں کہ وہ
اصح ہے اور دوسرے میں جو قوت ہے اس کے
بیان سے کچھ بھی تعرض نہ کریں تو ایسی حالت
میں یہی سمجھا جائے گا کہ اول ہی راجح اور تائید یافتہ
ہے۔ اور کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ گزرنے لگا
کہ وہ اول کو اصح کہہ کر دونوں قولوں کو صحیح کہتا
اور یہ بتانا چاہتے کہ اول کو دوسرے پر کچھ فضیلت
ہے۔ تو یہ افعلاً اهل الجنة خیر مستقراً
وأحسن مقيلاً۔ جنت والے بہتر قرار گاہ اور
سب سے اچھی آرمناہ والے ہیں کے باب
سے ہو گا۔ اگر کلمات مشایخ کی تفتیش کیجئے
تو یہ ملے گا کہ وہ حضرات دلتے ہیں یہ احوط (زیادہ
احتیاط والا ہے) یہ ارفق (زیادہ نرمی و فراخ)
والا ہے) یاد دہے کہ دوسرے میں کوئی احتیاط
اور کوئی آسانی نہیں۔ یہ ان حضرات کے کلام کے
خدمت گزاروں کے نزدیک بدیہی ہے۔ اح۔

اسی لئے خیر یہ کتاب الطلاق میں فرمایا:

والصحة وضعة عليه وعلى العلامتين ح وط.

۱۔: ربما لا يكون الفعل في قول المعطاء هذا اصح احوط ارفق وافق وامثاله
من باب التفضيل.

۲۔: اذا ثبت الاصح لا يعدل عنه اي اذا لم يوجد الاقوى منه.

الطلاق انت على علم بانك بعد
التفصيل على اصحيته لا يعدل
عنه الخ غير آه۔

بل قال في ملحقها في مسألة
قالوا فيها لقائل انت يقول
تجوز وهو الاصح ولقائل انت
يقول لا مانع من حيث ثبت
لاصح لا يعدل عنه آه۔

وهذا مفاد متنه العقود و
انت مال في شرحه الى ما هنا
فانه قال سـ

وحيثما وجدت قولين وقد
صحح واحد فذلك المعتبر
بنحو الفتوى عليه الاشبه
والاظهر المختار ذوالاوجه
فقد حكم بقصر الاعتماد
على ما قيل فيه افعل ولم
يصحح خلافه۔
ولما قال في الدر فيمن

تمس خبره كراسي كمنع
كمنع اس سے کسی اور کی جانب عہد دل
نہ ہوگا آہ۔

بلکہ خبر یہ کتاب الصلح میں جہاں یہ مسئلہ ہے کہ
لوگوں نے کہا اس میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ
جائز ہے۔ اور وہی اصح ہے۔ اور کہنے
والا کہہ سکتا ہے جائز نہیں، وہاں وہ لکھتے ہیں،
جب اصح ثابت ہوگا تو اس سے عدول نہ ہوگا۔

یہی ان کے متن عقد کا بھی مفاد ہے اگرچہ
اس کی شرح میں وہ اس بات کی طرف مائل ہو گئے
جہاں زیر بحث ہے کیوں کہ اس میں یہ لکھا ہے،
جہاں ترکہ قرآن میں، جن میں ایک کی تصحیح اس
طرح کے الفاظ سے ہو، اسی پر فتویٰ ہے، یہ
اشبہ ہے، اظہر ہے، مختار ہے، ادب
ہے۔ تو وہی مستحب ہے آہ۔

تو مفاد ہونے کا حکم اسی پر محدود رکھا جس
کی تصحیح میں لفظ افعل آیا ہے اور اس کے خلاف
قول کی تصحیح نہیں ہوئی ہے۔

در مختار کے اندر اس شخص سے متعلق جو بائیں

۱۔ معروضہ علی العلامة ش

۲۔ مسئلہ نماز میں بائیں طرف کا سلام پھیرنا بھول گیا جب تک قبلہ سے نہ پھرا ہو کہ لے۔

۳۹/۱	دار المعرفۃ بیروت	کتاب الطلاق	۱۔ الفتاویٰ الخیرۃ
۱۰۴/۲	۔ ۔ ۔	کتاب الصلح	۲۔
۳۶/۱	سہیل اکیڈمی لاہور	رسائل ابن عابدین	۳۔ شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین

لبي التسليم عن يساره اتي به ما لم
يستدبر القبلة في الاصح^١

وكان في القنية انه الصحيح^٢
قل ثم عبر الشارح بالاصح بدل
الصحيح والخطب فيه سهل^٣ اء

وكيف يكون سهلا وهما عندكم
على طرفي نقض قات الصحيح كان
يفيد ان خلافه فاسد واهناد
الاصح عندكم انه صحيح فقد
جعل الفاسد صحيحا

ثانيا قد قلتم علينا اتباع
ما رجحوه وليس بيات قوة
للشي في نفسه ترجيح حاله اذ
لا بد للترجيح من مرجح

سلام پیریا بھول گیا یہ کھا ہے، جب تک قبل
سے ٹیٹھ نہ پھیری ہو اس کی بجا آوری کرے۔ اصح
مذہب میں اء

اسی مسئلے کے تحت فقیر میں لکھا تھا کہ یہی
صحیح ہے۔ تراویح پر علامہ شامی نے لکھا کہ شاریح
نے صحیح کی جگہ اصح سے تعبیر کی۔ اور معاملة
اس میں سهل ہے اء

سهل کیسے ہوگا جب دونوں آپ کے نزدیک
ایک دوسرے کی بالکل نقیض اور ضد ہیں۔ کیوں کہ
صحیح کا مفاد یہ تھا کہ اس کا مقابل فاسد ہے۔
اور اصح کا مفاد آپ کے نزدیک یہ ہوا کہ اس کا
مقابل صحیح ہے تو آپ کے طور پر تو شارح نے فاسد
کو صحیح بنا دیا۔؟

ثانیاً آپ نے فرمایا جسے اللہ عزوجل نے
ترجیح دے دی ہم پر اسی کی پیروی لازم ہے۔
اور شے کی ذات میں پائی جانے والی کسی قوت
کا بیان، ترجیح نہیں۔ کیونکہ ترجیح کے لئے مزنیج او

۱۔ الصحيح والاصح متقاربان والخطب فيه سهل۔

۲۔ معروضه على العلامة ش

۳۔ معروضه على العلامة ش۔

۱۔ الدر المختار کتاب الصلوة فصل اذا اراد الشروع في الصلوة مطبع محبتي دہلی ۴۸/۱

۲۔ القنية المنية تقيم الغنية کتاب صلوۃ باب في القعدة والذكر فيها تلمکة اندلیا ص ۳۱

۳۔ رد المختار کتاب الصلوة فصل اذا اراد الشروع واراجاء الزاثر العربي بیروت ۳۵۲/۱

و مرجع علیہ فالمعنی قطعاً ما فضلوہ
علی غیرہ فلا شک انہم اذا قالوا
الاحد قولین انہ الاصح و سکتوا
عن الآخر فقد فضلوہ و رجحوہ علی
الآخر فوجب اتباعہ عندکم
وسقط التخییر۔

فالوجه عندی حمل کلام
الرسالة علی ما اذا ذیلت احدهما
بافعل والاخری بغیرہ فیکون
ثالث ما فی المسألة عن المحررة
والغنیة من اختیار الاصح والمعجم
وهو التخییر وهذا اولى من
حملہ علی ما یقبل۔

لا سیما و الرسالة مجهولة
لاتدری هم ولا مؤلفها والنقل عن
المجهول لا یعتد وان کان الناقل
عنہ لا یعتد علی النقل عن مجهول وان کان الناقل ثقة۔

عنه اقول و شر تفصیل یعرفہ الماھر
باسالیب الکلام والمطالع علی
مراتب الرجال فافہم امرہ۔

مرجع علیہ (جس کو رائج کہا گیا اور جس پر رائج کہا گیا)
دونوں ضروری ہیں۔ قطعاً یہ معنی ہوگا کہ جسے
ان حضرات نے دوسرے سے افضل قرار دیا اس
کی پروری ضروری ہے۔ اب یہ قطعی بات ہے کہ
جب انہوں نے دو قولوں میں سے ایک کو اصح
کہا اور دوسرے سے متعلق سکوت اختیار کیا تو
اسے انہوں نے دوسرے سے افضل اور رائج
قرار دیا تو آپ کے نزدیک اس کا اتباع واجب
ہوا اور تخییر ساقط ہوگئی۔

تو میرے نزدیک مناسب طریقہ یہ ہے کہ
رسالہ کا کلام اُس صورت پر محمول کیا جائے جس میں
ایک کے ذیل میں 'افعل' سے ترجیح ہو اور دوسرے
میں 'غیر' فعل سے۔ تو اس مسئلہ میں خیر سے
اصح کو اور غیر سے صحیح کو اختیار کرنے کا جو حکم منقول
ہے اس کی یہ تفسیری شق ہو جائے گی وہ یہ کہ تخییر
ہے (کسی ایک کی پابندی نہیں صحیح یا اصح کسی کو
بھی اختیار کر سکتا ہے) یہ معنی لینا اس معنی پر
محمول کرنے سے بہتر ہے جو ناقابل قبول ہے۔

خصوصاً جبکہ رسالہ مجہول ہے۔ نہ اس کا
پتا نہ اس کے مؤلف کا پتا۔ اور مجہول سے نقل
قابل اعتماد نہیں اگرچہ ناقل معتمد ہو جیسا کہ یہ ضابطہ

عنه اقول اور یہاں کچھ تفصیل ہے جس کی مفت
اسالیب کلام کے ماہر اور مراتب رجال سے باخبر
شخص کو ہوگی تو اسے کچھ میں ۱۲ منہ (ت)

من المعتمدین کہا اقصم بہ
ش فی مواضع من کتبہ و بیئناہ فی
فصل القضاء۔

وبالجملة فالثنیاء تخالفت ما
قرره اما انها لا تخالف فلان
مفادہا اذ ذاك التخيير وهو
حاصل ما في شق الثاني
لانه لما وقع في شقه الاول
الخلاف من دون ترجيح
ال الى التخيير والتخيير
مقيد بقيد قد ذكرهما من
قبل وذكرهما هنا بقوله ولا تنس
ما قد تناه من عظمها ان
التخيير من اعظمها ان
لا يكون احدهما قول الامام
فاذا كانت فلا تخيير كما اسلفنا
انفنا نقله ، وقد قال
في شرح عقود اذ كان احدهما
قول الامام الاعظم والاخر
قول بعض اصحابه لانه عند
عدم الترجيح لا احدهما

خود علامہ شامی نے اپنی تصانیف کے متعدد مقامات
میں صاف طور پر بیان کیا ہے اور ہم نے بھی فصل
القضاء میں اسے واضح کیا ہے۔

الحاصل وہ استثنا ان ہی کے طور پر
اور مقررہ امر کے خلاف ہے۔ رہا یہ کہ وہ
ہمارے خلاف نہیں تو اس لئے کہ اس وقت
اس کا مفاد تخیر ہے اور یہی اس کا حاصل ہے
جو صورت دوم کی دونوں مشقوں کے تحت مذکور
ہے کیونکہ جب اس کی پہلی مشق میں اختلاف ہو گیا
(کہ اصح کو اختیار کرے، یا اصح کو اختیار کرے)
اور ترجیح کسی کو نہیں تو مال یہ ہوا کہ تخیر ہے۔
اور تخیر کچھ قیدوں سے مقید ہے جنہیں پہلے ذکر
کیا ہے اور یہاں بھی ان کی یاد دہانی کی ہے یہ
کہہ کر کہ اور تخیر کی ان قیدوں کو فراموش نہ کرنا
جو ہم پہلے بیان کر چکے۔ ان میں عظیم ترین
قید یہ ہے کہ دونوں میں کوئی ایک، قول امام نہ ہو
اگر ایسا ہو تو تخیر نہ ہوگی جیسا اسے ہم
ابھی نقل کر آئے۔ اور علامہ شامی نے اپنی
شرح عقود میں لکھا ہے کہ جب دونوں میں
سے ایک، امام اعظم کا قول ہو اور دوسرا ان کے
بعض اصحاب کا قول ہو تو کسی کی ترجیح نہ ہونے

فہو تحقیق ان ما ذکر من حاصل کلام الدعا فانہ لا یتخالف۔

يقدم قول الامام فكذا بعد الامام
 بعد ترجيح القولين
 جميعا فترجيح حاصل القول
 الحان قول الامام هو العتيد الامام
 يتفق المرجعون على تصحيح خلافه -

فان قلت اليس قد ذكر
 عشر مرجحات آخر ونفي التخيير
 مع جعل منها اكدية التصحيح
 كونه في لموت والاخر في
 الشروح او في الشروح والاخير
 في الفتاوى او علوه دون الاخر او كونه
 استحسانا او ظاهرا الرواية او
 انفع لنوع او قول الاكثر
 وادق باهل الزمان
 او اوجه مراد هذين في شرح
 عقوده -

قامت بلى ولا نكرها
 افعال ان الترجيح بها اكد
 من الترجيح بانه قول الامام انما ذكر
 رحمه الله تعالى ان التصحيح
 اذا اختلف وكانت لاحدهما

کے وقت قول امام کو مقدم رکھا جاتا ہے تو ایسے
 ہی اس کے بعد بھی ہوگا اور — یعنی دونوں
 قولوں کی ترجیح کے بعد بھی ہوگا تو حاصل کلام
 یہی نکلا کہ اسباب قول امام ہی کا ہوگا مگر یہ کہ
 مرتبین اس کے خلاف کی ترجیح پر متفق ہوں -

اگر سوال ہو کہ کیا ایسا نہیں کہ اس
 میں دسٹل مرتج اور بھی ذکر کئے ہیں اور ہر ایک کے
 ساتھ تخییر کی نفی کی ہے (۱) تصحیح کا زیادہ مؤکد
 ہونا (۲) یا اس کا متن میں اور دوسرے کا شروع
 میں ہونا (۳) اس کا شروع میں اور دوسرے کا
 فتاویٰ میں ہونا (۴) ان حضرات نے اس کی تعلیل
 فرمائی دوسرے کی کوئی علت و دلیل ثباتی نہ اس
 کا استحسان ہوا (۶) یا ظاہر الروایہ (۷) یا وقعت
 کے لئے زیادہ نفع بخش (۸) یا قول اکثر (۹) یا
 اہل زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ اور موافق (۱۰) یا اوجہ
 ہونا — ان دونوں کا شرع عقود میں اضافہ ہے -

میں کہوں گا کیوں نہیں ، ہمیں
 ان سے انکار نہیں - بتائیے کیا یہ بھی کہا ہے کہ
 ان سب وجہوں سے ترجیح پانا قول امام ہونے
 کے سبب ترجیح پانے سے زیادہ مؤکد ہے ؟ —
 انہوں نے تو صرف یہ ذکر کیا ہے کہ جب صحیح میں

فت ، ذکر عشر مرجحات لاحد القولین علی الآخر -

اختلاف ہو اور ایک تصحیح کے ساتھ اپنی دلی میں سے
کوئی ایک مرتجیح ہو تو وہ ترجیح پا جائے گی اور تیسری
نہ ہوگی۔ اس صورت کا تو ذکر ہی نہ فرمادیا
جس میں ہر ایک تصحیح کے ساتھ ان میں سے کوئی
ایک مرتجیح ہو۔

اقول اور ابھی یہ مرتجحات باقی رہ گئے
اس کا اخطا، یا ارفق، یا معمول بہ ہوتا (علیہ
الصل)۔ اور یہ اس کا مقتضی ہے کہ ان ترجیحات
کے باہمی تغاوت اور فرق مراتب پر کلام کیا جائے۔
اس کی چنانچہ بین دشوار ہونے کے باعث شاید
اسے دیکھ نہ لگایا۔ تو ہم نے جو ذکر کیا اس کی
کوئی مخالفت ان کے کلام میں نہیں۔

وانا اقول (اور میں کہتا ہوں) مذہب
امام ہونے کے باعث ترجیح پانا سب سے ارجح
ہے اس لئے کہ قابل ظاہر باہر متواتر تصریحات
موجود ہیں کہ فتویٰ مطلقاً قول امام پر ہوگا اور
امام جلیل ماسب ہدایہ نے ہر حال میں قول امام
پر افتاء واجب ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔
اور اگر تفصیل طلب کرو تو اس کے باعث
ترجیح اس کے مقابل پائے جانے والے مذکورہ
تقریباً سبھی مرتجحات سے زیادہ راجح ملے گی
فاقول (تو اس کی تفصیل میں، میں کہتا ہوں)

مرجیح من هذه ترجیح
دلائل تخیروا لم یذکر ما اذا
کانت لكل منهما مرجح
منها۔

اقول وقد نقی من المرجحات
کونه احوط او ارفق او علیہ العمل
وهذا یقتضی الکلام علی تفاضل هذه
المرجحات فیما بینہا وکانہ لم یسلم
بہ لصعوبة استقصائه فلیس فی
کلامہ مضادة لما ذکرنا۔

وانا اقول الترجیح بکونه
مذہب الامام ارجح من کل
لتصریحات القاهرة الظاهرة الباهرة
المتواترة ان الفتوی بقول الامام
مطلقاً وقد صرح الامام الاجل صاحب
الهدایة بوجوبه علی کل حال۔

وان بغیت التفصیل وجہات
الترجیح بہ ارجح من کل ما ذکر
مما یوجد معارضاً له
فاقول القول لا یکون

۱۔ ذکر ثلث مرجحات اخر۔

۲۔ الترجیح بکونه قول الامام ارجح من کل ما یوجد معارضاً له۔

الفاظ اھل الردیۃ و محال ان
تمشی المتون قاطبة علی خلاف
قوله وانما وضعت لتقل مذہبہ
و کذا ان تعبد ابدا ان
المتون سکتت عن قوله و
الشروح اجبعت علی خلافہ و لم
یلہج بہ الا الفتاوی و
الانفیعۃ للوقوف من المصالح
الجليلة المهمة وھی احدى الحوامل
الست و کذا الاوقیۃ لاهل الزمان
و کونہ علیہ العمل و کذا الارفق
اذا کانت فی محل دفع الحرج
والاحوط اذا کانت فی خلافہ
مفسدة و الامتحان اذا کان لتحو
ضرورة او تعامل اما اذا کانت
لدایل فنقص باھل النظر و
کذا کونہ اوجبہ و اوضح
ولیل کما اعترفت بہ فی شرح
عقودہ۔

وقد اعلمنا ان المقلد
لا یتولک قول امامہ لقول
خیرۃ ان غیرہ اقوی و لیل

(۱) وہ قول جب ہو گا ظاہر الروایہ ہی ہو گا (۲) اور
یہ محال ہے کہ تمام متون قول امام کی مخالفت پر
کام زور ہوں جب کہ ان کی وضع امام ہی کا مذہب
نقل کرنے کے لئے ہوئی ہے (۳-۴) اسی طرح
ہرگز کبھی ایسا نہ ملے گا کہ متون قول امام سے سکت
ہوں اور شروح نے اس کی مخالفت پر اجماع
کر لیا ہو، صرف فتاویٰ نے اسے ذکر کیا ہو۔
(۵) اور وقفہ کے لئے نفع ہونا عظیم اہم مصالح
میں شامل ہے اور یہ اسباب مستند میں سے ایک
ہے (۶) اسی طرح اہل زمان کے زیادہ عوائق ہونا
(۷) اور اسی پر عمل ہونا (۸) یوں ہی ارفقی اور
زیادہ آسان ہونا جب کہ دفع حرج کا مقام ہو
(۹) اور حوط بھی واجب کہ اس کے خلاف میں
کوئی مفسدہ اور فرائی ہو (۱۰) اور امتحان بھی
جب کہ ضرورت یا تعامل جیسی چیز کے باعث ہو۔
لیکن امتحان اگر دلیل کے باعث ہو تو وہ
اہل نظر سے خاص ہے (۱۱-۱۲) یوں ہی اس کا
اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہوتا
(اہل نظر کا حصہ ہے) جیسا کہ علامہ شامی نے
شرح عقود میں اس کا اعتراف کیا ہے۔

اور یہ ہم بتا چکے ہیں کہ مقلد اپنے امام کا
قول کسی دوسرے کے قول کی وجہ سے ترک
نہ کرے گا۔ اگر دوسرا قول میری نظر میں دلیل کے

فی نظری غایت المظهر من النظر و
انما یتبعه فی ذلك تارک التقلید
امامہ من یسلم ان احدا من
مقلد بہ ومجتہدی منہ بہ البصر
بالدلیل الصحیح منہ

ولربما یكون قیاس یعارضہ
استحسان یعارضہ استحسان آخر وقت فکیف
یترک القیاس القوی بالاستحسان
الضعیف، وهذا هو السر جو ف
حکل قیاس قال بہ الامام وقیل
لغیرہ لالتمثل ضرورة وتعامل
انه استحسان ولنحو هذا من بما
قد مر القیاس علی الاستحسان
وقد نقل فی مسألة فی
الشركة الفاسدة ثم عن
طعن الحموی عن المفتاح
ان قول محمد هو المختار
للفتوی وعن غایة البیان
ان قول ابی یوسف استحسان
فقال ثم وعلیه فهو
من المسائل التي ترجیح

عہ قالہ الامام انکونی فی مختصرہ وعنه
نقل فی غایة البیان ۱۲ منہ غفرلہ۔

لحاظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو میری نظر کو امام
کی نظر سے کیا نسبت؟ اپنے امام کی تقلید
چھوڑ کر اس دوسرے کے قول کا اتباع دہی کرے گا
جو یہ مانتا ہے کہ امام کے مقلدین اور ان کے مذہب
کے مجتہدین میں سے کوئی فرد دلیل صحیح کہ ان سے
زیادہ بصیرت رکھتا ہے۔

شاید ایسا ہو گا کہ کسی قیاس کے معارض
کوئی ایسا استحسان ہو جس کے معارض اس سے
زیادہ دقیق و دسرا استحسان موجود ہو تو قیاس قوی
کو استحسان ضعیف کے باعث کیسے ترک کر دیا
جائے گا؟ امید ہے کہ یہی صورت ہر اسی قیاس
میں پائی جاتی ہوگی جس کے قائل امام ہیں اور
جس کے مقابل دوسرے کو۔ ضرورت و تقابل
جیسے امور کے ماسوا میں۔ استحسان کہا گیا ہو
ایسے ہی نکتے کے باعث بعض اوقات قیاس کو
استحسان پر مقدم کرتے ہیں۔ علامہ شامی نے غلطی
سے، انھوں نے قوی سے، انھوں نے مفتاح
سے، شرکت فاسدہ کے ایک مسئلے میں نقل
کیا ہے کہ امام محمد ہی کا قول قوی کے لئے مختار
(ترجیح یافتہ) ہے۔ اور غایة البیان سے نقل کیا
کہ امام ابو یوسف کا قول استحسان ہے۔
اس پر علامہ شامی نے فرمایا، اس کے پیش نظر

عہ اسے امام کنہی نے اپنی مختصر میں بیان کیا ہے
اسی سے غایة البیان میں منقول ہے ۱۲ منہ (ت)

فِيهَا الْقِيَّاسُ عَلَى الْأَسْتَحْصَانِ أَهـ۔
وہ اسی مسائل میں شامل ہے جن میں قیاس کی استحضار
پر ترجیح ہوتی ہے اھ۔

۱۔
فَأَقَادِمَاتُ مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى
مَقْدَمٌ عَلَى الْأَسْتَحْصَانِ وَ
كَذَا خُصُوصَةُ عَلَى مَا عُدَّ مِنَ التَّعْلِيلِ
مِنْ إِمَارَاتِ التَّرْجِيحِ وَالْفَتْوَى اعْتَمَدَ
تَرْجِيحَ صَرِيحٍ وَكَذَا الْأَشْكَالُ
فِي تَقْدِيمِهَا عَلَى الْأَوْجِهَةِ
وَالْأَرْفَاقِ وَالْأَحْوَاطِ كَمَا نَحْنُو
عَلَيْهِ۔

۲۔
فَلَمْ يَبْقَ مِنَ الرِّجَاحَاتِ
الْمَذْكُورَةِ إِلَّا كَدِيَّةُ التَّصْحِيحِ
وَأَكْثَرِيَّةُ الْقَائِلِينَ وَلِذَا اقْتَصَرْنَا
عَلَى ذِكْرِهَا فِيهَا مَضَى۔
وَأَمَّا أَكْثَرِيَّةُ أَكْثَرِ مَا فِي صَالَتِي
وَقْتُ الْعَصْرِ وَالْعِشَاءِ حَتَّى ادْعُوا
عَلَى خِلَافِ قَوْلِهِ التَّعَامُلُ
بِبَلِّ حَمَلٍ عَامَّةِ الصَّحَابَةِ
فِي الْعِشَاءِ وَلَمْ يَمْنَحْ

اب تصحیح کے زیادہ نوکد چونے اور قائمین
کی تعداد زیادہ ہونے کے سوا نہ کورہ مرآت سے
کوئی مرتبہ باقی نہ رہا۔ اسی لئے سابق میں ہم
نے صرف ان ہی دونوں کے ذکر پر اکتفا کیا۔
اب بتائیے قائلین کی اکثریت کہیں اس سے
زیادہ ہوگی جو وقت عصر اور وقت عشاء کے
مسئلوں میں اقام کے مقابل موجود ہے؟ یہاں
تک کہ لوگوں نے قول اقام کے برخلاف تعامل
بلو عشاء میں عام صحابہ کا عمل ہونے کا بھی دعویٰ کیا

۱۔ : مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى مَقْدَمٌ عَلَى الْأَسْتَحْصَانِ۔

۲۔ : بَعْدَ قَوْلِ الْأَمَامِ لَا يَنْهَى إِلَى كَثْرَةِ التَّرْجِيحِ فِي الْجَانِبِ الْأُخْرِ۔

سے پانی نجس مانا جائے گا وضو اور غسل کے حق میں اور
دوسری چیزوں سے متعلق جب سے دیکھا گیا اس
وقت سے یعنی اب سے نجس مانا جائے گا۔
سے نہیں۔

اسی پر صباغی نے فتویٰ دیا محیط اور
تبیین میں اسی کو صحیح کہا۔ البحر الرائق اور منہج الفقہ
میں اسے برقرار رکھا۔ تنویر الابصار اور درمختار
میں اسی پر اعتماد کیا تو آپ نے فرمایا، یہ تمام
متوی کے اطلاق کے برخلاف ہے (یہاں تک
کہ فرمایا) تو اس پر اعتماد نہ ہوگا اگرچہ جسے اور
منہج میں اسے برقرار رکھا۔

(۴) کوئی حد قد ایک شخص معتق پر وقت کیا تو
یہ وقت اس شخص کی موت کے بعد واقع کے
ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔ اجناس میں پھر
فتح القیصر میں کہا یہ یفتی (اسی پر فتویٰ دیا جاتا
ہے)۔ آپ نے فرمایا، یہ خلاف معتد ہے کیونکہ
یہ اس کے خلاف ہے جس پر معتقین مشائخ نے نص
فرمایا اور اس کے بھی جو متون میں مذکور ہے، وہ
یہ کہ موقوف علیہ کی موت کے بعد وہ فقہاء پر
لوٹ آئے گا۔

(۳) امام طہاوی و کرخ نے اختیار فرمایا
کونشہ والے کی طلاق بے کار ہے۔ اور تفرید

دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۶/۱
مطبع مجتہدانی دہلی ۳۷۹/۱
دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۶۲/۴

افتی بہ الصباغی و صحیحہ فی
المحیط والتبیین واقراء فی البحر
والمنہج واعتمد فی الفتویٰ والبدار
فقلم مخالف لاطلاق المتون
قطبہ (الف قوبکم) فلا یعمل
علیہ وان اقراء فی البحر و
المنہج

ومنها وقت صدقة علی رحیل
بعینہ عاد بعد موندہ لورثہ
الواقف قال فی الاجناس ثم
فتح القیصر بہ یفتی فقلم
انہ خلاف المعتد لمخالفته
لما نص علیہ محققو المشائخ و
لما فی المتون من انہ
بعد موت الموقوف علیہ یعز
للفقراء

ومنها ما اختار الامامان
لمیلان والکرجی من الفاء طلاق السکران

شہ رد المحتار باب امیاء فصل فی البر
سک الدہ المختار بکوال الفع کتاب الوقت
سک رد المحتار

ذلك لاسيما في العصر عن التعويل
على قول الامام، ونقلتم عن البحر
واقروا، ثم انه لا يعدل عن قول الامام
الا بضرورة او بان صرح المشايخ ان
الفتوى على قولهما كما
هنا اهـ

ونا هيك به جوابا عن اكدية
لفظ التصحيح وايضا قد منا
نصوص مث في ذلك في سرد
النقول عن كتاب النكاح وكتاب الهبة
وايضا اكثر في رد المحتار ص ۱
معارضة الفتوى بالمتون وتقديم
ما فيها على ما عليه الفتوى
وما هو الا لان المتون وضعت لنقل
مذهب صاحب المذهب رضي الله
تعالى عنه۔

فمنها الاسناد في البر
الم يرم او شدة في حق
الوضوء والغسل والاقتصار
في حق غيرهما۔

بھر بھی یہ اکثریت، خصوصاً عصر میں، قول امام پر
اعتماد سے مانع نہ ہو سکی اور آپ ہی نے بحر
سے یہ نقل کیا اور برقرار رکھا کہ، قول امام سے بجز
ضرورت کے عدول نہ ہوگا اگرچہ مشایخ نے تصریح
فرمائی ہو کہ فتویٰ قول صاحبین پر ہے۔ — جیسے
یہاں ہے۔

اور لفظ تصحیح کے زیادہ مؤثر ہونے سے متعلق
جواب کہنے میں بھی یہی کافی ہے۔ اور اس بار سے
میں علامہ شامی کی صریح عبارتیں ذکر نقول کے تحت
کتاب النکاح اور کتاب الهبة سے ہم پہلے بھی نقل
کر چکے ہیں۔ — اور انہوں نے رد المحتار میں بہت سے
مقالات پر فتویٰ کے مقابلہ میں متون کو پیش کیا ہے
اور متون میں جو کچھ بہت سے ما علیہ الفتوی
(وہ قول جس پر فتویٰ ہے) پر مقدم قرار دیا ہے،
اور یہ اسی لئے ہے کہ متون صاحب مذہب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا مذہب نقل کرنے کے لئے وضع ہوئے ہیں۔

ان میں سے چند مقامات کی
نشان دہی (۱) کنوئیں میں کوئی جانور مرا ہوا دیکھا
گیا اور گرنے کا وقت معلوم نہیں تو اگر پھولا پھٹا
نہیں ہے تو ایک دن اور پھولا پھٹا ہے تو تین دن

فتی: اذا مرجع قول الامام وقول خلافه كان العمل بقول الامام دون قول الغير
عليه الفتوى۔

وفي التفرید ثم التارخانیة ثم
الدرالفتوی علیہ فقہم مثل ح قد علمت
مخالفتہ لساو الاستون

ومنها قال محمد اذ المرین عصبه
فولایة النکاح للحاکم دون الام
قال فی المضمرات علیہ الفتوی فقہم
کالبحر والہر غریب لمخالفتہ المتون
الموضوعة لبيان الفتوی

ومنها قال محمد لا تعتبر الكفاءة
دینة وفي الفتحة عن المحيط علیہ
افتوی وصححه فی المبسوط ففقم
کالبحر تصحیح الهدایة معارض
له فالافتاء بما فی المتون
اولی

ومنها قال لما اختاری اختاری
اختاری فقالت اخترت الاولی
او الوسطی او الاخیرة طلقت شلثا
عنده وواحدة بائنة عندهما
واختارة الطحاوی و
قال فی الدرر واقرة
الشیخ علی المقدس وفي

له الدر المختار بحوالہ التارخانیہ کتاب الطلاق

کے رد المختار کتاب الطلاق

کے رد المختار کتاب النکاح باب الولی

کے رد المختار باب الکفاءة

پھر تارخانیہ پھر در مختار میں ہے کہ فتویٰ اسی پر
ہے آپ نے علی کی طرح فرمایا، تمہیں معلوم ہے
کہ سارے متون کے خلاف ہے۔

(۴) امام محمد نے فرمایا: جب کوئی عصبہ نہ ہو تو
نکاح کی ولایت حاکم کو حاصل ہوگی، ماں کو نہیں۔
مضمرات میں لکھا، اسی پر فتویٰ ہے۔ آپ
نے بحر و نہر کی طرح فرمایا، یہ غریب ہے کیوں کہ
بیان فتویٰ کے لئے وضع شدہ متون کے برخلاف ہے۔

(۵) امام محمد نے فرمایا، دین داری میں کفارت
کا اعتبار نہیں۔ فتح القدر میں محیط کے حوالے
سے لکھا، اسی پر فتویٰ ہے۔ اور مبسوط میں
اسی کو صحیح کہا۔ آپ نے بحر کی طرح فرمایا، جہاں
کی تسبیح اس کے سر میں ہے تو اسی پر اٹھا اٹھنے
ہے جو متون میں مذکور ہے۔

(۶) شوہر نے بیوی سے کہا، اختیار کر، اختیار کر
اختیار کر۔ تو بیوی نے کہا، میں نے پہلی۔ یا
درمیانی۔ یا آخری اختیار کی، امام صاحب کے
نزدیک اس پر تین طلاقیں پڑ گئیں۔ اور صاحبین
کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔ اور اسی
کو امام طحاوی نے اختیار کیا۔ در مختار میں ہے
اور اسے شیخ علی مقدسی نے برقرار رکھا۔ اور

۲۱۵ / ۱ مطبع مجتہدی دہلی

دار ایما التراث العربی بیروت ۲ / ۲۵۲

۳۱۲ / ۲ - - - -

۳۲۰ / ۲ - - - -

الحاوی القدسی وہ بہ ناخذ فقد افاد
 انت قولہما هو المفتی بہ کذا
 یخط الشرح الفزی فبقلم قول
 الامام روشی علیہ المتون و آخر
 دلیہ فی الهدایۃ فکان هو العتقد
 و منها طلب القسمة من لا ینتفع
 بہا لقنۃ حصتہ قال شیخ الاسلام
 خواہر نزادۃ یجاب قال فی الخانیۃ
 و علیہ الفتوی فقال فی الدر
 لکن المتون عن الاول فعلیہ المعول
 واقرب تسوۃ انتم و ط مع قولکم
 مراراً منہا ف ہبہ سدا المختار
 کن عن ذکر ما قالو
 لا یعدل عن تصحیح قاضی خان
 فانہ فقیہ النفس ام۔

حاوی قدسی میں ہے: وہ نہ ناخذ (ہم اسی کو دینے
 ہیں) تو یہ افادہ کیا کہ قول صاحبین ہی مفتی ہے
 شرف غزنی کی قلمی تحریر میں اسی طرح ہے۔ آپ
 نے فرمایا، قول امام پر متون کام زری ہیں۔ اور چاہیے
 میں اسی کی دلیل متوفر رکھی ہے تو وہی معتد ہوا۔
 (۷) تقسیم کا ایسے شخص نے مطالبہ کیا جو اس سے
 فائدہ نہیں اٹا سکتا کیوں کہ اس کا حصہ بہت کم
 ہوگا۔ شیخ الاسلام خواہر نزادہ نے کہا، تقسیم
 کر دی جائے۔ خانیہ میں کہا، اسی پر فتویٰ ہے۔
 اس پر دو مختار میں فرمایا، لیکن متون اول پر ہیں تو اسی
 پر اعتماد ہے۔ اور اسے آپ نے اور خطاوی نے
 برقرار رکھا۔ باوجود اسے کہ آپ نے بار بار فرمایا۔
 ان میں سے ایک موقع رد المحتار کتاب الہب کا بھی
 ہے۔ کہ اسے یاد رکھنا جو علماء نے فرمایا ہے کہ
 امام قاضی خاں کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے گا
 کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔ ام۔

اس تفصیل سے بصرہ تعالیٰ روشیں

فقد ظہر و لله الحمد انت

ف۔ تاخیر الہدایۃ دلیل قول دلیل اعتماد۔

ف۔ قول الامام المذکور فی المتون مقدم علی ما صحیح قاضی خاں یا کذا الفاظ الفتوی۔

ف۔ لا یعدل عن تصحیح قاضی خان فانہ فقیہ النفس۔

۱/۲۲۶	مطبع مجتہبی دہلی	کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق
۲/۴۸۰	دار احیاء التراث العربی بیروت	کے رد المختار کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق
۲/۲۱۹	مطبع مجتہبی دہلی	کتاب القسمة
۴/۵۱۳	دار احیاء التراث العربی بیروت	کتاب البیۃ

الترجیح بكون القول قول الامام لا يوازيه
شئ واما ختم الترجيح وكامت
احدهما قول الامام فعليه التعويل
وكذا اذا لم يكن ترجيح فليفت اذا
اتفقوا على ترجيحه فلم يبق
الا ما اتفقوا فيه على ترجيحه
غيرة -

فاذا أحمل كلامه على
ما وصفتنا فلا شك في صحته
اذن بالنظر الى حاصل الحكم
فاننا وافقه على اننا نأخذ بما اتفقوا
على ترجيحه انما يبقى الخلاف بيننا
في الطريقة فهو اختاره بناء
على اتباع المرجحين ونحن
نقول لا يكون هذا الا في
محل احدى الحوامل
فيكون هذا هو قول الامام الضرورى
وان خالف قوله الضرورى بل عندنا
ايضا مساعى ههنا لتقليد المشايخ
في بعض الصور على ما يأتى
بيانها

ثم لا شك انه لا يتفيد ح
بكونه قول احد الصاجين بل ندوا
مع الحوامل حيث دامت وامت

ہو گیا کہ کسی قول کے قولِ امام ہونے کے باعث ترجیح
پانے کے مقابل کوئی حسیہ نہیں اور جب اختلافِ ترجیح
کی صورت میں دو قولوں میں سے ایک قولِ امام ہو
تو اسی پر اکتفا ہے۔ اسی طرح اس وقت بھی
جب کوئی ترجیح ہی موجود نہ ہو۔ پھر اس وقت
کیا حال ہوگا جب سب اسی کی ترجیح پر متفق ہو جائیں۔
تو اب کوئی صورت باقی نہ رہی سو اس کے جس میں
دوسرے کی ترجیح پر سب متفق ہوں۔

تو اگر علامہ شامی کا کلام اس پر عمل کر لیا جائے
جو ہم نے بیان کیا تو اس صورت میں وہ بلاشبہ
حاصلِ حکم کے لحاظ سے صحیح ہوگا کیونکہ ہم بھی اس
پر ان کی مخالفت کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں
ہم اسی کو جس کی ترجیح پر مشایخ کا اتفاق ہے۔
البتہ ہمارے اور ان کے درمیان طریقی حکم کا فرق
رہ جاتا ہے۔ انھوں نے اس حکم کو اتباعِ مرجحین
کی بنیاد پر اختیار کیا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا
اسبابِ شر میں سے کسی ایک کے پائے جانے
ہی کے موقع پر ہوگا تو یہی امام کا قول ضروری ہوگا
اگرچہ وہ ان کے قولِ ضروری کے برخلاف ہو۔
بلکہ ہمارے نزدیک یہاں بعض صورتوں میں تعسید
مشایخ کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ ان کا بیان
کرتا ہے۔

پھر بلاشبہ ایسے وقت میں اس کی
بھی پابندی نہیں کہ وہ دوسرا قولِ صاحبین ہی میں
سے کسی کا ہو بلکہ ہر حادث پر ہو گا وہ جہاں

كان قول نزار مثلاً على خلاف الائمة
الشدثة كما ذكر.

وما ذكر من مبرهم الدليل
وسائر كلامه فشا من الطريق الذي
سلكه وح يبقی الخلاف بينه و
بين البحر لفظياً فان البحر ايضا
لا يوجب عندئذ العدول عن قول
الامام الصوري الى قوله الضوري
كيف وقد فعل مثله نفسه والوفاق
اولف من الشقاق.

ولعل مراد ابن الشلبی ان يصرح
احد من المشايخ بالعتوى على قول
غير الامام مع عدم مخالفة الباقيين
له صراحة ولا دلالة كاقصار هم
على قول الامام او تقديمه او تأخير
دليله او الجواب عند دلائل
غيره الى غير ذلك مما يعلم انهم
يرجعون قول الامام كما اشار
ابن الشلبی الى التصحيح
ودلالة وح لا بد ان يظهر
منهم مخايل وفاقهم لذلك المفتي
فيدخل في صورة التشكيك.

دائرہوں اگرچہ وہ تینوں ائمہ کے برخلاف مثلاً امام زفر
ہی کا قول ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

اور وہ جو علامہ شامی نے ذکر کیا کہ مشايخ
نے دلیل کی جانچ کر رکھی ہے اور باقی کلام، یہ سب
اس طریق سے پیداشدہ ہے جسے انھوں نے اپنایا۔
اور اب ان کے اور بجز کے درمیان صرف لغوی اختلاف
رہ جائے گی۔ کیونکہ بحر بھی ایسی صورت میں امام
کے قول صوری سے ان کے قول ضروری کی جانب
عدول کے منکر نہیں۔ منکر کیسے ہوں گے ایسا تو
انھوں نے خود کیا ہے۔ اور اتفاق اختلاف
سے بہتر ہے۔

اور شاید ابن الشلبی کی مراد یہ ہے کہ
مستراح میں سے ایک نے خیر امام کے قول پر قوی
ہونے کی تصریح کی ہو اور دیگر حضرات نے صراحتاً
اس کی مخالفت نہ کی ہو اور نہ ہی دلالت مشایخوں کہ
قول امام پر اقتصار کریں، یا اس سے پہلے بیان
کریں، یا اس کی دلیل آخر میں لائیں، یا دوسرے
حضرات کی دسیلوں کا جواب دیں، اسی طرح
کی اور باتیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قول امام
کو ترجیح دے رہے ہیں۔ جیسا کہ ابن الشلبی نے
دلالت فصیح کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اور ایسی
صورت میں دیگر حضرات سے اس مفتی کے ساتھ
موافقت کے آثار و علامات نمودار ہونا ضروری تھا۔
کلام ابن شلبی کی یہ مراد لی جائے تو یہ بھی استثناء
والی صورت میں داخل ہو جائے گا۔

یہ گفتگو رہی شامی کے دفاع میں، اب رہا
بحسب کا معاذ تو رد المحتار پر جو میں نے تعلیقات
لکھی ہیں ان ہی میں کتاب القضاء کے تحت میں
نے دیکھا کہ یہ عبارت رقم کر چکا ہوں۔

اقول کلام بحر کا محل وہ صورت ہے
جس میں ائمہ ترجیح سے جانب امام بھی ترجیح
پائی جاتی ہو جیسے عصر و عشاء کے مسئلوں میں
ہے اگرچہ مؤکد ترین لفظ ترجیح — مشایخ کا
قوی — صاحبین کی جانب ہو — بحر کی مراد
یہ نہیں کہ مشایخ قول صاحبین کی ترجیح پر اجماع کر لیں
تو بھی اس کا اعتبار نہیں اور ہم پر قول امام ہی پر
قوی دینا واجب ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شخص جسے
فقہ سے کچھ سمجھ ہے ایسی بات نہیں کہہ سکتا
تو یہ علامہ بحر اس کے قائل کیسے ہوں گے؟ —
اور ہرگز کبھی غیر امام کے قول کی ترجیح پر ائمہ ترجیح
کا اجماع نظر نہ آئے گا مگر ایسی صورت میں
جہاں اختلاف زمانہ کی وجہ سے مصطلحت تبدیل
ہو گئی ہو۔ اور ایسی صورت میں ہمارے لئے
مشایخ کے خلاف جانا کرنا نہیں (کیوں کہ
یہ بعینہ امام کی مخالفت ہوگی جیسا کہ معلوم ہوا)۔
لیکن جب ترجیح مختلف ہو تو قول امام کا اس وجہ
سے رجحان کہ وہ قول امام سے زیادہ رائج ہوگا
اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کے قول کا لفظ
افتاء کی اوجہیت (یا اس کی ترجیح کی طرف مائل
ہونے والوں کی اکثریت) کے باعث رجحان اس کے

ہذا فی جانب المشایخ و اما
جانب البحر فرأيتنی کتبت فیما علقنت
على رد المحتار فی کتاب القضاء
ما نفعه۔

اقول محل کلام البحر
حيث وجد الترجيح من ائمتہ
في جانب الامام ايضا كما في
مسألتي العصر والعشاء وان وجد اكد
العائقه وهو الفتوى من المشايخ في
جانب الصحابين وليس يريد ان المشايخ
وان اجمعوا على ترجيح قولهما لا يعيرون
به ويجب علينا الافتاء بقول الامام
فان هذا لا يقول به احد ممن نه ساس
بالفقه فكيف بهذا العلامة البحر و
لن ترى ابدا اجماع الائمة على
ترجيح قول غيره الا لتبدل مصلحة
باحتمالات الزمان وح لا يجوز لنا
مخالفة المشايخ (لانها
اذن مخالفة الامام عينا
كما علمت) و اما اذا اختلف
الترجيح فرجح قول الامام لانه قول
الامام امر جرح من رجحات
قبول غيره لا رجحية لفظ
الافتاء به (او اكثرية العائلين
الم ترجحه) فهذا ما يريد

العلامة صاحب البحر و به يسقط
ايراد العلامتين الرملی والشامی
ماکتبت مع زيادات مني الآن ما بين
الاهلة -

فهذا اتمتكم الكلمات ، و
تأثفت الاشتات ، والمحمد لله
سبب البريات ، و افضل
الصلوات ، و اكمل التسليمات ،
على الامام الاعظم لجميع
الكائنات ، و آله و صحبه و
ابنه و حذبه اولي الخيرات ،
و السعود و البركات ، عدا و كل
ما مضى و ما هوأت ، آمين و الحمد
لله رب العالمين و الله سبحانه و
تعالى .

و رأيت الناس يتحفون كتبهم
الى ملوك الدنيا و انا العبد
الحقير ، خدمت بهذه السطور ،
ملكاً في الدين ، اصام ائمة
المجتهدين ، مرضى الله تعالى
عنه و عنهم اجمعين ، فان وقعت
موقع القبول ، فذلك نهاية المستول ،
و صنتهم المأمول ، و ما ذلك على الله بعزيز ان
ذلك على الله ييسر ، ان الله على كل شئ قدير ،

فروتر ہوگا۔ یہی علامہ صاحب بحر کی مراد ہے۔
اور اسی سے علامہ رملی و علامہ شامی کا اعتراض ساقط
ہو جاتا ہے اور۔ حواشی رد المحتار سے متعلق میری عبارت
ختم ہوئی، اور ہلالین کے درمیان کی عبارتیں اس
وقت میں سنہ بڑھائی ہیں۔

تو اس توضیح و تاویل سے تمام کلمات
ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور
مختلف باتیں باہم متفق ہو جاتی ہیں۔ اور تمام تر
ستائش خدا کے لئے جو مخلوقات کا رب ہے۔
اور بہتر درود، کامل ترین تسلیات ساری کائنات
کے امام اعظم اور خیرات، سعادات، برکات والے
ان کے آل، اصحاب، فرزند اور جماعت پر،
ہرگز شکر و ثناء کی تعداد میں۔ الہی قبول فرما۔
اور تمام تعریف خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا
پروردگار ہے۔ اور پاکی و برتری والے خدا کو ہی
خوب علم ہے۔

میں نے دیکھا کہ لوگ شاہان دنیا کے دربار
میں اپنی کتابوں کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ اور
بندہ حقیر نے تو ان سطور سے دین کے ایک
بادشاہ، ائمہ مجتہدین کے امام کی خدمت گزار
کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور ان سب
مجتہدین سے راضی ہو۔ تو یہ اگر مقام قبول
پا جائیں تو یہی انتہائے مطلوب اور منہائے امید
ہے۔ اور اللہ پر یہ کچھ دشوار نہیں، بلاشبہ
یہ خدا پر آسان ہے۔ یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالِيَهُ الْمَصِيرُ، وَصَلَّى اللّٰهُ
تَعَالٰى عَلَيَّ الْمَوْلٰى الْاَكْرَمُ،
وَالِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكُ وَسَلِّمْ،
اٰمِيْنَ!

تنبیہ: اقول کون المحل
محل احدی الموامل انت کانت
بینا لایلتبس فالعمل علیہ وما عداہ
لا نظر الیہ وهذا طریق لقی وامت کانت
الامر مشتبہما مرجعنا الی اثمة الترجیح
فان ما ایتناهم مجمعی علی خلاف
قول الامام علمنا ان المحل محلها و
هذا طریق اتی وان وجدناهم مختلفین
فی الترجیح اولہم يرجحوا شیئا علمنا
بقول الامام و ترکنا ما سواہ
من قول و ترجیح لان اختلافہم
امسا لانت المحل لیس محلها
فاذا انت لاعدول تحت قول الامام
اولا نہم اختلافوا فی المحلیۃ
فلایثبت القول الفسورعی
بالشک فلا یترك قوله
الصورعی الثابت بیقین
الا اذا تبیتنا لنا المحلیۃ بالنظر
فیما ذکرنا من الادلۃ او

اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے اور اسی کی جانب رجوع
ہے۔ اور اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے
آقائے اکرم اور ان کی آل اصحاب پر اور برکت و
سلامتی بخشے۔ الہی! قبول فرما۔

تنبیہ: اقول چہ اسباب میں
کسی ایک کا محل ہونا اگر واضح غیر مشتبہ ہو تو اسی
پر عمل ہوگا اور ماسوا پر نظر نہ ہوگی یہ ملحق طریقہ ہے۔
اور اگر معاملہ مشتبہ ہو تو ہم ائمہ ترجیح کی جانب
رجوع کریں گے۔ اگر قولی امام کے برخلاف انھیں
اجماع کے دیکھیں تو یقین کر لیں گے کہ یہ بھی اسباب
بستہ میں سے کسی ایک کا موقع ہے۔ یہ
راہی طریقہ ہے۔ اور اگر انھیں ترجیح کے بارے
میں مختلف پائیں، یا یہ دیکھیں کہ انھوں نے کسی
کو ترجیح نہ دی تو ہم قولی امام پر عمل کریں گے اور
اس کے ماسوا قول و ترجیح کو ترک کر دیں گے
کیوں کہ ان کا اختلاف یا تو اس لئے ہوگا کہ وہ
اسباب بستہ کا موقع نہیں۔ جب تو قولی امام
سے عدول ہی نہیں۔ یا اس لئے ہوگا کہ
اسباب بستہ کا محل ہونے میں وہ باہم مختلف
ہو گئے۔ تو قول ضروری شک سے ثابت
نہ ہو پائے گا۔ اس لئے امام کا قول ضروری
جو یقین سے ثابت ہے ترک نہ کیا جائے گا۔
لیکن جب ہم پر اسباب بستہ کا محل ہونا ان

بنی العادلوت عن قوله الامر عليها
وكانوا هم الاكثر من فنتبعهم
ولا نلتهمهم اما اذا لم يبقوا الامر
عليها وانما حوا حول الدليل فقول
الامام عليه التعويل هذا ما ظهر في
وارجوا ان يكون صوابا ان شاء الله
تعالى ، والله تعالى اعلم۔

حضرات کی بیان کردہ دلیلوں میں نظر کرنے سے اٹھ
ہو جائے ، یا قول امام سے مدول کرنے والے
حضرات نے اسی محلیت پر بنائے کار رکھی ہو
اور وہی تعداد میں زیادہ بھی ہوں تو ہم ان کی پیروی
کریں گے اور انہیں متہم نہ کریں گے۔ لیکن
جب انہوں نے بنائے کار محلیت پر
نہ رکھی ہو ، بس دلیل کے گرد ان کی گردش ہو تو
قول امام پر ہی اعتماد ہے۔ یہ وہ طریق عمل ہے
جو مجھ پر منکشف ہوا اور امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ
تعالیٰ درست ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ : اقول هذا كله

اذا خالفوا الامام اما اذا فصلوا
اجمالا ، او اوضحوا اشكالا ،
او قيدوا اسسالا ، كد اب
الشراح مع المتن ، وهم في ذلك
على قوله ماشون ، فهم
اعلم منا بما اراد الامام فان اتفقوا
والا فالترجيح بقواعده
المعلومة۔

تنبیہ : اقول یہ سب اس
وقت ہے جب وہ واقعی امام کے خلاف گئے ہوں
لیکن جب وہ کسی اجمال کی تفصیل یا کسی اشکال
کی توضیح ، یا کسی اطلاق کی تفسیر کریں جیسے متون
میں شارحین کا عمل ہوتا ہے۔ اور وہ ان سب
میں قول امام ہی پر گام زن ہوں تو وہ امام کی
مراد ہم سے زیادہ جانتے والے ہیں۔ اب
اگر وہ باہم متفق ہوں تو قطعاً اسی پر عمل ہو گا
ورنہ ترجیح کے قواعد معلومہ کے تحت ترجیح
دی جائے گی۔

وانما قيدنا بانهم في ذلك
على قوله ماشون ، لانه
تقدم هنا صورتان مثلاً
قال الامام في مسألة بالاطلاق
وصاحبا بالتقييد فان اثبتوا الخلاف

ہم نے یہ قیہ لگائی کہ وہ ان سب
میں قول امام ہی پر گام زن ہوں۔ اس کی
وجہ یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہوتی ہیں۔ مثلاً
امام کسی مسئلے میں اطلاق کے قائل ہیں اور صاحبین
تفسیر کے قائل ہیں۔ اب مرجحیں اگر اختلاف کا

واختاروا قولهما فهذه مخالفة
وانت نفوا الخلاف وذكر وان
مراد الامة ايضا لتقييد فهذا
شرح، والله تعالى اعلم، وليكن هذا
اخرا الكلام، وافضل الصلوة والسلام
على اكرم الكرام، وآله وصحبه وابنه
وحزبه ائمة يوم القيام، والحمد لله ذي
الجلال والكرام۔

اثبات کریں اور صاحبین کا قول اختیار کریں تو یہ
مخالفت ہے۔ اور اگر اختلاف کا انکار کریں
اور یہ بتائیں کہ امام کی مراد بھی تفسیر ہی ہے تو
یہ شرع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہی خاتمہ کلام
ہونا چاہئے۔ اور بہتر درود و سلام کریں میں سب
سے کریم تر مگر پر اور ان کی آل، اصحاب، فرزند اور
جماعت پر تار و زقیام۔ اور ہر ستائش بزرگی و اکرام
والے خدا کے لئے ہے۔ (ت)